JAN. FEB. MAR. - 2023

مسلکِ اعلیٰ حضرت کا ترجمان

جنوری

فروری

مارچ

۲۰۲۳ء

سہ ماہی

گھوسی

امجدیہ

عظمتِ صحابہ کی ایک نورانی جھلک

دادوں علی گڑھ کے تلامذۂ صدر الشریعہ

صدر الافاضل علامہ نعیم الدین مرادآبادی

فکر اسلامی کے تابندہ نقوش اور عصبیت قومیہ کا زوال

طیبۃ العلما جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی مئو

بیادگار:۔ حضور صدر الشریعہ علامہ مفتی امجد علی اعظمی رضوی علیہ الرحمۃ والرضوان

زیر سرپرستی:۔ جانشین صدر الشریعہ محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری مدظلہ العالی

طیبۃ العلماء جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی مئو

جلد ۱۶، شمارہ ۶۳
اکتوبر تا دسمبر ۲۰۲۲ء

مجلس مشاورت

مولانا فداء المصطفیٰ قادری

مفتی محمود اختر قادری	ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی
مولانا عبد الرحمٰن	مولانا جمال مصطفیٰ قادری
مولانا محمد صدیق	حلیم حاذق انصاری
مولانا محمد ابو الحسن قادری	حافظ ایاز محمود
مولانا شمشاد احمد مصباحی	حافظ محمد سمیع اللہ امجدی

مدیر اعلیٰ	:	مفتی فیضان المصطفیٰ قادری
مدیر مسئول	:	مفتی شمیم رضا اویسی امجدی
معاون مدیر	:	مولانا ابو یوسف محمد
سرکولیشن مینیجر	:	ماسٹر شکیل انور
اشتہار مینیجر	:	ماسٹر سرفراز احمد
تزئین کار	:	مولانا ریحان المصطفیٰ قادری
کمپوزر	:	حافظ محمد تکمیل امجدی

مراسلات و ترسیل زر کا پتہ

TAIBATUL OLAMA
JAMIA AMJADIA RIZVIA
GHOSI 275304 MAU (U.P.) INDIA

قیمت خصوصی شمارہ	:	۵۰ روپے
سالانہ ممبری فیس	:	۸۰ روپے
بیرونی ممالک سے	:	۲۰ امریکی ڈالر
فون نمبر	:	۰۵۴۶۱-۲۲۲۰۴۶

پرنٹر، پبلشر و پروپرائٹر علاء المصطفیٰ قادری نے اسٹار آفسیٹ پرنٹنگ پریس 2229/A احاطہ کجن بی، روڈ گران، لال کنواں، دہلی سے چھپوا کر دفتر سہ ماہی امجدیہ، طیبۃ العلماء جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی، ضلع مئو سے شائع کیا۔

فہرست مضامین

اداریہ (تیسری قسط)

حضور صدر الشریعہ اور مدرسہ حافظیہ سعیدیہ ریاست دادوں علی گڑھ

(تاریخ کے کچھ گم شدہ صفحات)

دادوں کے تلامذۂ صدر الشریعہ

ترتیب: فیضان المصطفیٰ قادری

گزشتہ قسط میں ہم نے دادوں قیام کے احوال سے متعلق حضور محدث کبیر کی یادداشت پیش کی تھی، اس قسط میں بھی کچھ ابتدائی معلومات اسی یادداشت سے حاضر ہے۔

میں نے دریافت کیا: کیا رمضان شریف میں بھی صدر الشریعہ کا دادوں میں قیام ہوتا تھا؟ اس لیے کہ بہار شریعت ۱۸/ ویں حصے کے عرض حال میں فرماتے ہیں کہ: ''۲۰/رمضان المبارک ۱۳۶۲ھ کو میرا چوتھا لڑکا عطاء المصطفیٰ کا دادوں ضلع علی گڑھ میں انتقال ہوا''۔ اس کا مطلب کبھی کبھی رمضان میں قیام ہوتا تھا۔

اس پر فرمایا: مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آپا جان (عائشہ خاتون) نے ''دادوں'' میں رمضان میں روزہ رکھا، اب وہ پیاس سے رونے لگیں، ظہر کے بعد، پانی دو پانی دو، ابا جی نے کہا: ارے ابھی تو دن ڈوبے گا، ابھی تو کچھ دیر میں دن ڈوبے گا۔ سعیدہ ذرا دوڑ کے دیکھ تو مغرب کی اذان ہو رہی ہے یا نہیں۔ اس طرح تسلی دے دے کر ان کا روزہ پورا کرایا۔ میں نے بھی پہلا روزہ شاید دادوں میں رکھا، پورا یاد نہیں آرہا ہے۔

دادوں میں صدر الشریعہ کے تلامذہ:

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ جب دادوں پہنچے تو ہر طرف ان کی آمد کا شہرہ ہو گیا، علاقے کے طالبین نے تو موقع غنیمت جانا اور بارگاہِ صدر الشریعہ میں پہنچ گئے، جن میں حضرت علامہ سید ظہیر الدین زیدی علیہ الرحمہ اور مولانا لطف اللہ علی گڑھی کا نام بھی آتا ہے، یہ علی گڑھ کے ہی رہنے والے تھے، بریلی شریف مراد آباد کے طلبہ بھی آنے لگے، قرب و جوار کے علاوہ دور دراز کے شائقین بھی پہنچنے لگے، محسن فقیہ اور حامد فقیہ شافعی مہاراشٹر سے آئے، یہاں تک کہ افغانستان سے بھی طلبہ آئے اور مبلغ اعظم علامہ عبد العلیم میرٹھی علیہ الرحمہ نے افریقی ممالک سے بھی بارگاہِ صدر الشریعہ میں طلبہ بھیجے، جن میں ماریشش کے حضرت مولانا محبوب خدا بخش کا تفصیلی تذکرہ آگے آرہا ہے۔

دادوں کے طلبہ میں قابل ذکر یہ ہیں: مولانا اعجاز ولی خاں، مولانا حافظ مبین الدین فاروقی، مولانا محمد خلیل خاں، مولانا حافظ وقاری محبوب رضا خاں، مولانا سید ظہیر احمد زیدی، مولانا غلام ربانی، مولانا اختر الزماں خاں شیروانی، مولانا رفیق الحق صاحب، مولانا لطف اللہ علی گڑھی، مولانا مظہر ربانی باندہ۔ مولانا محسن فقیہ مولانا حامد فقیہ، مولانا محبوب خدا بخش ماریشش وغیرہ

ماریشش کے مولانا محبوب خدا بخش کا تذکرہ:

حضور محدث کبیر نے فقیر کو ان کے متعلق تفصیل سے بتایا کہ جب ماریشش پہلی بار سفر ہوا تو مولانا ہاشم علنڈی کے گھر پر قیام ہوا ،ان سے مولانا محبوب خدا بخش کے متعلق دریافت کیا۔

یہ مولانا محبوب خدا بخش ماریشش سے دادوں علی گڑھ صدر الشریعہ کی بارگاہ میں تعلیم حاصل کرنے آئے تھے،صدر الشریعہ کے پاس ہی پڑھتے رہے۔صدر الشریعہ جب دادوں سے رخصت ہوئے تو وہ بھی ساتھ ساتھ آ گئے،تو صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے ان کا داخلہ مبارک پور میں کرادیا، جب وہ مبارک پور سے فارغ ہوئے تو ان کی فراغت کا جلسہ صدر الشریعہ نے قادری منزل کی چھت پر رکھا،اوران کی دستار بندی گھر پر بھی کی تھی[1]۔

مولانا ہاشم علنڈی سے محدث کبیر نے مولانا محبوب خدا بخش سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔

انھوں نے کہا: ہاں میں ان کو جانتا ہوں ،مگر اب ان پر اکثر جذب کی کیفیت طاری رہتی ہے،آپ ان سے ملیں گے تو نہ جانے کیا معاملہ آپ کے ساتھ کریں۔

فرمایا: دیکھا جائے گا،ابھی لے کر چلیے، لے کر چلے،آگے کی تفصیل حضور محدث کبیر کی زبانی حاضر ہے:

جب ان سے ملاقات ہوئی تو علیک سلیک ہوئی، پھر فرمایا:

آپ مجھے پہچانتے نہیں ہوں گے، میرا نام ضیاء المصطفیٰ ہے، میں صدر الشریعہ کا بیٹا ہوں، مجھے اچھی طرح یاد ہے آپ جب دادوں میں پڑھتے تھے کہ ابا جی آپ کو بازار سے گھر کی سبزی وغیرہ لانے کے لیے پیسے دیتے تھے،اور آپ لے کر آتے تھے، مجھے یہ بھی یاد ہے کہ ایک بار اتنی بڑی (انگلی کی مقدار) ہری مرچ آپ لے کر آئے،اور آپ نے مجھ سے کہا:

تم اکیلے یہ مرچ کھالو تو میں ایک پیسہ دوں گا۔

میں نے کہا: لائیے! تو میں نے وہ پوری مرچ آپ کے سامنے کھائی،اور آپ کو اس وقت ایک پیسہ نکالنا پڑا۔

وہ بیٹھے سب سنتے رہے اور ذرا مسکرائے، کچھ بولے نہیں،سلام وغیرہ بس۔

میں نے کہا: بہر حال مجھے یہ معلوم ہے، میں اس وقت چھوٹا تھا، جب آپ مبارک پور سے فارغ ہوئے تو ابا جی نے گھر کی چھت پر ایک جلسہ کرایا تھا،اور اس میں آپ کی دستار بندی بھی ہوئی،اور مٹھائی بھی بٹی تھی ،اب پتہ نہیں آپ کو یاد ہے کہ نہیں یاد ہے۔

(۱) قادری منزل میں دستار بندی سے یاد آیا اس فقیر کی دستار بندی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور سے ۱۹۹۵ء میں ہوئی، جب حضور محدث کبیر شیخ الحدیث ہوا کرتے تھے، جب دستار بندی کا وقت آیا تو اسٹیج پر چونکہ فارغین کثیر تھے اور اکابر علمائے کرام موجود تھے،لہٰذا متعدد علمائے کرام دستار باندھنے لگے،اس فقیر کے سر پر حضرت شارح بخاری علیہ الرحمہ نے دستار رکھ کر رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کی طرف بڑھا دیا،اور انھوں نے اس فقیر کی دستار بندی فرمائی۔ جلسے کے دوسرے دن جب ہم گھر واپس ہوئے تو شام میں حضور محدث کبیر نے فرمایا: مولوی فیضان کی دستار بندی میری بجائے ماموں نے کردی، لاؤ اب میں کر دیتا ہوں، یہ کہہ کر میرے سر پر آپ نے دستار باندھ دی، پھر حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے آستانے پر حاضری کے لیے بشکل جلوس پورے گھر والے نکلے۔ یہ ہماری سعادت مندی ہے کہ اس فقیر کی فضیلت کی دستار بندی وقت کے تین جلیل القدر علمائے کرام نے فرمائی۔ فالحمد للہ علی ذلک۔

تو اب ان کے آنکھوں میں آنسو آ گئے، سب یاد آ گیا، مگر کچھ بولے نہیں۔ وہ جذب کی کیفیت میں تھے۔ میں چلا آیا۔

جب دوبارہ ماریشش گیا، تو ہاشم علندی کے گھر والوں نے بتایا کہ مولانا محبوب صاحب آئے تھے، میں نے کہا: کون مولانا محبوب؟ بولے: وہ خدا بخش والے۔ میں نے کہا: اچھا، کیسے آئے تھے؟

بولے: بس، آئے، بیٹھے، اور بولے: ذرا کچھ کھانے کو دو۔

ہم نے کچھ کھانے کو دیا، تو بولے: ''تمہارے یہاں جو مولانا آئے تھے، تم لوگ نہیں جانتے وہ کون ہیں، ان کو میں جانتا ہوں، (آواز کھینچ کر......) بہوووت بڑا آدمی ہے، اور بہوووت بڑے باپ کا بیٹا ہے۔ اس لیے تم اس کی قدر کرنا، اب آئے تو بہت عزت کرنا''۔ ایسے ایسے بول کر گئے۔

اس کے بعد ایک اور ملاقات ہوئی، بعد میں گیا تو معلوم ہوا کہ ان کا انتقال ہو گیا، تو میں نے کہا: مجھے لے چلیے ان کی قبر پر فاتحہ پڑھنے۔

تبصرہ: یہ صدر الشریعہ کے ایک شاگرد کی کہانی تھی، ایک طرف صدر الشریعہ معقولات کے امام تھے تو دوسری طرف فقہ کے ماہر تھے، تیسری طرف تصوف ان کے مزاج میں شامل تھا، صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی جلوتوں کے مظاہر تو پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں، مجھے لگتا ہے کہ یہ مولانا محبوب خدا بخش صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی خلوتوں کے مظہر تھے۔

مفتی محبوب رضا خاں بریلوی:

مفتی محبوب رضا خاں بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے قیامِ دادوں کے متعلق اپنی روداد اور اپنے استاذ گرامی حضور صدر الشریعہ کے احوال تفصیل سے بیان کیے ہیں، ہم ذیل میں انھیں سے اقتباس کر کے ان کی زبانی کچھ متعلقہ امور درج کرتے ہیں:

''حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی خدمت میں ۱۹۳۹ء میں مدرسہ حافظیہ سعیدیہ دادوں ضلع علی گڈھ حاضر ہوا۔ چونکہ درمیان سال تھا حضرت نے فرمایا: بندۂ خدا! بغیر پیشگی خط و کتابت کے آ گئے۔ تین پیسے کا خط لکھ کر پہلے مجھ سے پوچھ تو لیا ہوتا! یہاں درمیانِ سال میں داخلہ ممنوع ہے، یہ ریاست ہے، اور نواب صاحب کی اجازت کے بغیر درمیان سال میں داخلہ نہیں ہو سکتا۔ میں نے عرض کی: حضور! اب تو میں آ گیا، واپس نہیں جاؤں گا، داخلہ نہیں ہوتا تو نہ ہو، میں بستی میں کرایہ کا مکان لے لوں گا، آپ پرائیویٹ طور پر کوئی ایک سبق مجھے شروع کرا دیں۔ فرمایا: میرے پاس وقت کہاں ہے؟ عرض کی: عصر مغرب کے درمیان وقت ہے، فرمایا: اس وقت میں اخبار دیکھتا ہوں، عرض کی: حضور دس منٹ مجھے عنایت فرمادیں، فرمایا: بچوں کی سی باتیں کرتے ہو، دس منٹ میں پڑھایا جا سکتا ہے؟ عرض کی: حضور! میرے لیے دس منٹ بہت ہیں، فرمایا: کیا پڑھنا چاہتے ہو؟ عرض کی کہ جو حضور پڑھائیں، ہنس پڑے، پھر فرمایا: منطق کہاں تک پڑھی ہے؟ عرض کی: قطبی پڑھی۔ فرمایا: ملا جلال شروع کر دو، عرض کیا جو حکم ہو، پھر کچھ تامل کے بعد دریافت فرمایا: میر زاہد رسالہ پڑھا ہے؟ عرض کیا: نہیں، فرمایا: پھر پہلے رسالہ پڑھو، عرض کی: جو حکم، فرمایا: کل سے میر زاہد شروع کر دو۔

چنانچہ دوسرے روز عصر کی نماز کے بعد مدرسہ کے چبوترے پر چارپائی پر بیٹھ کر میر زاہد شروع کرایا، اس میں ساتذۂ مدرسہ بھی شریک درس ہو گئے، اور اکثر طلبہ بھی۔ یعنی میر زاہد رسالہ میں میرے شریک طلبہ کی تعداد سب اسباق کی جماعتوں سے بڑی

ہوگئی، (کچھ دنوں بعد) چھٹی جماعت میں شریک ہوکر اسباق کی سماعت کی اجازت بھی مل گئی، مطبخ کے باورچی کو بلا کر حکم فرمایا کہ قاری صاحب کا کھانا دونوں وقت کا تم دینا اور پیسے ان سے طے کر لینا۔ چنانچہ میں کئی مہینہ اسی طرح ہاسٹل میں رہا، پھر ایک روز نواب غلام محمد خاں صاحب مرحوم متولی مدرسہ ہاسٹل میں تشریف لائے، میری طلبی ہوئی اور مجھ کو با قاعدہ داخلہ مل گیا۔

میرے عزیز مفتی اعجاز احمد خاں مرحوم ومغفور حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ سے بہت قریب تھے، مجھے ان کے ساتھ قیام کی اجازت مل گئی، اس طرح میں حضرت صدر الشریعہ کا خادم خاص بن گیا، سودا سلف کی خریداری اور دیگر امور خانہ میں مفتی اعجاز ولی خاں صاحب مرحوم کے بعد میں دخیل ہوا، دھوبی کو حضرت کے گھر کے کپڑے دینا، ان کا حساب لکھنا اور اندراج کے مطابق وصول کرنا میری ذمہ داری تھی، سبزی وغیرہ بھی خرید کر لاتا، کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ بعض چیزیں بغیر اجازت اپنی مرضی سے خرید لاتا، جو کچھ منگوایا گیا اس میں اپنی مرضی سے ردوبدل کر لیتا، حتیٰ کہ بعد میں اکثر ایسا بھی ہوا کہ گھر سے کوئی بچہ پوچھنے کے لیے آتا: آج کیا پکایا جائے؟ تو حضرت فرمادیتے: قاری صاحب سے پوچھو۔ کشیدنی تمبا کو میں اپنی مرضی سے خرید لاتا، جتنی منگوائی جاتی اس سے بہت زیادہ خرید لاتا، فرماتے کہ اتنی کیوں خریدی؟ میں نے تو اتنی کہی تھی، عرض کر دیتا کہ حضور یہ تمبا کو بہت اچھا ہے، دیسی ہے اور خوب تیز ہے، کام آئے گا، روز ایسا نہیں ملے گا۔ ہنس کر خاموش ہو جاتے، میں بربنائے خلوص وعقیدت اس قسم کے تصرفات کرتا تھا، اور حضرت خلوص کے قدرداں تھے۔

طلبا سے بہت خلوص ومحبت فرماتے اور انھیں اولاد کی طرح سمجھتے تھے۔ چنانچہ ہم لوگ آپس میں اُن کے لیے ''اَبا'' کا لفظ استعمال کرتے، چونکہ حضرت کے بچے ان کو ابا کہتے تھے۔ نہایت چشم پوش اور کریم النفس تھے، مگر اصول میں سخت گیر اور بہترین قسم کے منتظم تھے، میں نے ان سے زیادہ متبع سنت کسی کو نہیں دیکھا۔ صاف گو، سادہ لوح، نہایت معاملہ فہم، خوش مزاج اور حلیم الطبع تھے، لباس بالکل سادہ پہنتے تھے، دیسی کھدر کا کرتا، عرض کا پاجامہ، کھدر ہی کی بنڈی، اور کھدر ہی کا جبہ سفید یا ہرے رنگ کا، مگر ٹوپی دوپلی چپ عمدہ ململ یا دائل کی، رنگین عمامہ، جاڑوں میں اونی ٹوپا، اونی جرسی یا روئی کی مرزئی دہلی والی سرخ نری کی ایک کنٹھے والی پاپوش استعمال فرماتے تھے۔ نہایت وجیہ شخصیت کے مالک تھے۔

پسندیدہ خوراک:

بھنا ہوا گوشت وروٹی اور ترکاریوں میں تلے ہوئے کریلے شوق سے تناول فرماتے تھے، دارجیلنگ کی عمدہ چائے پیتے اور اس معاملہ میں نہایت نفاست پسند واقع ہوئے تھے۔ ایک مرتبہ والدہ صاحبہ گھوسی تشریف لے گئیں تھیں، حضرت دادوں میں موجود تھے، ایک میواتی فلک شیر خاں کی بھینس بیمار ہوگئی، مفتی اعجاز ولی خاں مرحوم نے اس کو تعویذ لکھ کر دیا کہ گھر کی ڈاہی میں لٹکا دے، اللہ کے حکم سے وہ بھینس تندرست ہوگئی، اس نے تقریباً پانچ سیر دودھ مفتی صاحب کو نذر کیا، پروگرام بنا کہ چاول اور شکر حضرت کے یہاں سے حاصل کیے جائیں، میں نے خدمت اقدس میں عرض کی: چاول اور شکر چاہیے! فرمایا: کیا کروگے؟ عرض کی کھیر پکائیں گے، فرمایا: لے لو، دودھ کہاں سے لوگے؟ عرض کی: دودھ اس طرح مل گیا ہے، مسکرائے، فرمایا: ہم کو تو تعویذ کا معاوضہ کوئی نہیں دیتا، اعجاز میاں ہم سے زیادہ کامیاب ہیں۔ غرض کی کھیر پکی، مگر اس میں شکر بہت زیادہ ہوگئی، میرے متعلق طلبا نے

مشہور کر رکھا تھا کہ میں میٹھا بہت زیادہ کھاتا ہوں، جب حضرت نے تناول فرمائی تو دو چار چمچے لے کر چھوڑ دی، اور ہنس کر فرمایا :اعجاز میاں! قاری صاحب نے اپنے مطلب کی پکائی ہے، تاکہ اور کوئی نہ کھا سکے، اب یہی اس کو ختم کریں گے۔ ہلکا میٹھا پسند فرماتے تھے، پان زیادہ کھاتے تھے اور کشیدنی تمبا کو میں غازیپور، گورکھپور اور لکھنو کا عمدہ خمیرہ استعمال کرتے تھے۔ تمبا کو بنانے اور خرید کر لانے اور اس میں خمیرہ ملانے کی خدمت میں انجام دیتا تھا۔

عصر کے بعد چہل قدمی کے لیے میں نے مشورہ دیا، پسند فرمایا۔ چنانچہ بعد نمازِ عصر روزآنہ تقریباً ایک میل ٹہلنے کو جاتے، اکثر مولانا حافظ مبین الدین صاحب بھی ہمراہ ہوتے، راستہ بھر ہم لوگ مسائل پوچھتے جاتے اور حضرت جوابات ارشاد فرماتے جاتے۔ ایک مرتبہ بارہ ربیع الاول شریف کو صبح صادق کے وقت اپنے گھر میں محفل میلاد سے فارغ ہو کر نماز ادا کی اور حسن پور کے جلسے میں شرکت کے واسطے تشریف لے چلے، حضرت محدث صاحب کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ بھی وہاں تشریف لائے ہوئے تھے۔ دونوں بزرگوں کی چار پائیاں صحن میں برابر برابر پڑی تھیں، ہم لوگ حضرت کے پاؤں دباتے جاتے اور مسائل پوچھتے جاتے۔ حضرت آنکھیں بند کیے ہوئے جوابات ارشاد فرماتے جاتے، محدث صاحب علیہ الرحمہ نے کچھ دیر تو خاموشی اختیار فرمائی مگر جب سوالات وجوابات اور جوابات پر اعتراضات اور پھر اعتراضات کے جوابات کا سلسلہ ختم ہوتا نظر نہیں آیا تو اپنے مخصوص انداز میں ارشاد فرمایا: حضرت آپ کے تلامذہ معاملات میں بہت صفائی پسند واقع ہوئے۔

حضرت نے دریافت فرمایا: وہ کیسے؟

محدث صاحب علیہ الرحمہ نے فرمایا: حضرت! میں دیکھ رہا ہوں ایک گھنٹہ ہوا کہ یہ حضرات آپ سے اپنی محنت کی قیمت نقد وصول فرماتے جا رہے ہیں، یہ لوگ ادھار کے قائل نہیں۔

حضرت نے ہنس کر فرمایا: میں عادی ہو چکا ہوں، اس سے میرے آرام میں خلل نہیں پڑتا ہے۔

اس کے بعد حضرت نے فرمایا: بس بھائی، آپ لوگ بھی آرام فرمائیں، اور محدث صاحب کو بھی آرام کرنے دیں، ان کو نیند آ رہی ہے۔

دادوں میں تدریس کے طریقے کے متعلق لکھتے ہیں:

دوسرے مدرسین سے حضرت کا طریقۂ تدریس مختلف پایا، دوسرے اساتذہ کے اسباق میں طلبا قراءت کے لیے آپس میں جھگڑتے تھے کہ تم قرأت کرو، حضرت ایک مرتبہ ’’ہوں‘‘ فرماتے، یہ قرأت شروع کرنے کا اشارہ ہوتا، مگر طلبا آپس میں کہنیاں مارنا شروع کر دیتے، حضرت دوبارہ ’’ہوں‘‘ فرماتے، مگر شروع کرنے کی کسی کی ہمت نہ پڑتی، پھر جب تیسری مرتبہ ’’ہوں‘‘ فرماتے تب کوئی نہ کوئی گھبرا کر قراءت شروع کر دیتا۔ اکثر و بیشتر میں اور حافظ مبین الدین قراءت کرتے، کبھی کبھی دوسرے ساتھی بھی قراءت کرتے، اگر عبارت پڑھنے میں کوئی غلطی ہو جاتی تو پڑھنے والے کی شامت آ جاتی۔ حضرت بہت ناراض ہوتے، ترجمہ لفظی پسند فرماتے تھے، اگر ترجمہ میں کوئی لفظ اپنی طرف سے طالب علم بڑھا دیتا تو فوراً پوچھتے کہ یہ کس لفظ کا ترجمہ ہے؟ ترجمہ کے بعد دریافت فرماتے کہ کیا سمجھے بیان کرو۔ چنانچہ اگر

مطلب صحیح بیان کردیا جاتا تو خود تقریر فرمانے لگتے اور اگر مطلب صحیح بیان نہ ہوا تو ناراض ہوتے اور فرماتے: میرے پاس بغیر مطالعہ کیے مت آیا کرو۔ صدرا، شمس بازغہ، قاضی مبارک اور امور عامہ جیسی مشکل کتابوں کی تقریر حفظ سے فرماتے جاتے۔ تقریر کے بعد پھر کتاب پر نظر ڈالتے اور فرماتے: اب حافظہ کمزور ہو گیا ہے اس لیے دیکھ لیتا ہوں کہ کوئی جملہ رہ تو نہیں گیا، جوانی میں کتاب دیکھے بغیر پڑھاتا تھا، جہاں طالب علم نے''بس'' کی حضرت نے کتاب بند کردی، کبھی یہ نہیں فرمایا کہ تھوڑا اور پڑھ لو۔ بخلاف دوسرے مدرسین کے، کہ ان کے یہاں جب طالب علم نے بس کی تو انھوں نے فرمایا: تھوڑا اور پڑھ۔ اس کے باوجود سب سے پہلے حضرت کی کتاب ختم ہوتی تھی، آپ سبق کی تقریر دوبار فرماتے تھے۔ میں تو اس کو حضرت کی کرامت ہی مانتا ہوں بخاری شریف کے گویا حافظ تھے، اور جن احادیث پر شروحِ احادیث میں قیل وقال ہے ان کے متعلق ایسی تقریر فرماتے کہ طالب علم کو اعتراض کی گنجائش نہ رہ جاتی۔

ایک واقعہ مجھے خوب یاد ہے کہ بخاری شریف کی ایک حدیث جس میں حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قرطاس طلب فرمایا تھا اور حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بایں خیال کہ بخار کی شدت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تکلیف دینا مناسب نہیں ہے قرطاس لانے کی مخالفت کی تھی، شروحِ احادیث میں بہت قیل وقال کی گئی ہے۔ چنانچہ میں نے فتح الباری اور حافظ مبین الدین صاحب نے عینی شرح بخاری کا خوب مطالعہ کیا، اور صلاح کی کہ اس پر خوب اعتراض کریں گے تاکہ حضرت یہ جان کر کہ میرے تلامذہ خوب مطالعہ کر کے آئے ہیں خوش ہوں اور دوسرے ساتھیوں کے مقابلے میں ہم زیادہ مطالعہ کرنے والے اور ذہین ثابت ہوں۔ مگر ہوا یہ کہ میں قرأت کر رہا تھا جب مذکورہ حدیث میں میں نے لفظ ''اَھْجَرَ'' پڑھا تو حضرت نے فرمایا ''اَھَجَرَ'' یعنی میں نے ''ہ'' کو ساکن پڑھا تھا اور حضرت نے ''ہ'' کو مفتوح پڑھنے کو فرمایا، جس کے بعد اعتراضات خود بخود ختم ہو گئے اور فرمایا کہ ''ہ'' کو مفتوح پڑھنا ہی صحیح ہے۔ مختصر یہ کہ پیچیدہ مقامات پر ایسی سلجھی ہوئی اور دلنشیں تقریر فرماتے کہ طالب علم کو اعتراض کا موقع کم ملتا۔ حدیث شریف کے سبق کے شروع میں بسم اللہ کے بعد درود شریف ضرور پڑھا جاتا، اکثر خود اعتراضات کی تقریر فرما کر جوابات ارشاد فرماتے۔ (حیات وخدمات)

مولانا لطف اللہ قادری علی گڑھی:

مولانا لطف اللہ علی گڑھی بھی دادوں کے تلامذہ میں سے تھے، وہ اپنی تحریر میں دادوں قیام کے دوران کے کچھ احوال بیان کرتے ہیں۔ ہم ذیل میں ان کی تحریر سے کچھ اقتباس درج کرتے ہیں۔ موصوف فرماتے ہیں:

حضرت صدر الشریعہ کے آخری طلبہ میں مجھ جیسے نابکار کا بھی شمار ہے جس نے ان کی آخری حیات کے لمحات کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ ان کی دور اندیش نظر نے آخری وقت میں منجملہ اور چند خوش نصیب ہستیوں کے مجھ ناچیز کو بھی اپنی غلامی کے لیے منتخب فرمایا تھا۔ چنانچہ اکثر وبیشتر سفر کے مواقع پر اپنے ہمراہ لے جایا کرتے تھے۔ میری عمر اس وقت ۱۷ / یا ۱۸ / سال کی تھی۔ سفر کی حالت میں ان کے پانوں کی ڈبی میرے ہی پاس رہا کرتی تھی، جب بھی طلب فرماتے میں پان پیش کر دیتا تھا۔ ان کو میرا بنایا ہوا پان بہت مرغوب تھا، پان میں تمبا کو بہت ہی خفیف ہوا کرتا تھا۔ کبھی کبھی ان سے نگاہ بچا کر میں بھی ان کی ڈبی کا پان کھا لیا کرتا تھا۔ اسی وقت سے میں بھی پان کا عادی ہو گیا، لیکن ان پر یہ ظاہر نہ ہونے دیتا کہ میں بھی پان کھاتا ہوں، اپنے ہونٹوں پر پان کی سرخی کو صاف کر لیا کرتا تھا۔ ایک

دن بحالت سفر اتفاقاً ان کے پان میں میرے ہاتھ سے معمول سے کچھ زیادہ تمباکو پڑ گیا، فرمایا: ''میرے پان میں اپنی طرح زیادہ تمباکو ڈالدیا''۔ اتنا سننا تھا کہ میں شرم سے پانی پانی ہوگیا، کہ آج حضرت نے میرے پوشیدہ جرم کا پردہ فاش کردیا۔ میں تو یہی سمجھتا تھا کہ میرا پان کھانا حضرت کے علم میں نہیں ہے، اس ندامت کا میرے ہوش حواس پر اس قدر گہرا اثر پڑا کہ حضرت معمولاً روز آنہ دلائل الخیرات شریف پڑھا کرتے تھے حتیٰ کہ سفر میں بھی ناغہ نہ فرماتے اس سفر میں دلائل الخیرات شریف سامانِ سفر میں سے میرے ہاتھ سے گم ہوگئی، اس کے احساس سے میرے ہوش وحواس اور بھی ماؤف ہو گئے۔ بقول کسے: ؎

آئینہ ان کا ٹوٹ گیا میرے ہاتھ سے
اب کوئی منھ دکھانے کی صورت نہیں رہی

میں نے بکوشش داب وآداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے جب دلائل الخیرات شریف کے گم ہونے کا حال خدمت عالی میں عرض کیا تو مجھے ہلکی سی ڈانٹ پلائی، فرمایا: ''ہوش میں نہیں رہتا''۔

ایک مرتبہ میں ریاست دادوں میں کچہری کی چھت سے نیچے اتر رہا تھا اور حضرت نیچے سے اوپر تشریف لا رہے تھے، زینہ کافی چوڑا تھا، میں ایک طرف سمٹ کر آہستہ آہستہ اترنے لگا جب اس سیڑھی پر پہنچا جس پر حضرت نے قدم رکھا تھا تو میرے منہ پر ایک تھپڑ مارا اور فرمایا کچھ نہیں، اور اوپر تشریف لے گئے۔ میں نیچے اتر آیا، حالانکہ طلبہ کو مارنے کی عادت نہ تھی، ہاں ڈانٹ بہت سخت تھی، جسے سن کر طلبہ کے حواس باختہ ہوجاتے تھے۔ چونکہ اس وقت میں بزرگوں کے داب وآداب سے قطعاً نابلد تھا حضرت کا تھپڑ کھا کر بات سمجھ میں آگئی اس لیے بات کی نہیں، یہ ایک تھپڑ میرے حق میں نہایت کارآمد ومفید ثابت ہوا، مجھے اس ایک تھپڑ نے داب وآداب کی بہت سی منزلیں طے کرادیں، میرے دل میں اب تک یہی حسرت باقی ہے کہ کاش ایسے چند تھپڑ اور بھی کھائے ہوتے۔

میرے تایا میاں مرحوم منشی اللہ بخش صاحب کو حضرت سے بڑی محبت وعقیدت تھی۔ حضرت کو عرق النسا کی تکلیف رہا کرتی تھی، میرے تایا میاں مرحوم نے ایک نسخہ تحریر کر کے حضرت کی خدمت میں پیش کیا جو مفید ثابت ہوا، اور اس نسخے کے گم ہونے پر حضرت نے کئی بار وہ نسخہ تایاں میاں مرحوم سے بذریعہ تحریر طلب فرمایا۔ جب حضرت نے ریاست دادوں کو خیر باد کہا تو میں اور میرے تایاں میاں مرحوم علی گڈھ تک حضرت کے ہمراہ رہے اور میرے اور میرے ساتھیوں کے بارے میں حضرت سے دریافت کیا کہ حضور ان غلاموں کے لیے کیا حکم ہے؟ فرمایا اس وقت تو میں اپنے وطن گھوسی جا رہا ہوں، یہ لوگ بریلی شریف چلے جائیں، میں مفتی اعظم میاں کے نام ایک رقعہ تحریر کیے دیتا ہوں، وہاں ان کی اچھی تعلیم ہوجائے گی۔ چنانچہ ہم لوگوں کو اپنے طلبہ تحریر فرما کر دارالعلوم مظہر اسلام مسجد بی بی صاحب میں داخلہ کرادیا۔ اس وقت حضرت مولانا سردار احمد صاحب علیہ الرحمہ وہاں صدر المدرسین تھے جو حضرت ہی کے تلامذہ سے تھے۔ حضور مفتی اعظم نے حضرت صدر الشریعہ کا مکتوب گرامی پاکر ہم چار طلبہ۔ (۱) میں (۲) مولانا مظہر ربانی (۳) مولانا محبوب خدا بخش افریقی اور (۴) مولانا منظر اٹاوی کی تعلیم کا معقول انتظام فرمادیا۔

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نہایت سادگی سے زندگی بسر فرماتے تھے۔ سوتی موٹا مضبوط سفید رنگ کا لباس زیب تن فرماتے،

آخری حیات میں اس سادگی میں اور بھی اضافہ ہو گیا تھا، اپنی نسلی اولاد اور عام طلبہ کے ساتھ یکساں برتاؤ ہوا کرتا تھا، ہم طلبہ حضرت کو ابا کہا کرتے تھے، اور حضرت بھی طلبہ کو اولاد کی طرح سمجھتے، تعلیم و تربیت میں حضور کا رویہ بہت سخت تھا۔ نمازوں کی پابندی اور احکام شریعت کی پابندی پر بہت زور دیتے، غلط ماحول سے روکتے، بدکلامی اور گالی گلوج سے طلبہ کو باز رکھتے۔ طلبہ کے باہمی جھگڑوں کا فیصلہ نہایت عادلانہ انداز سے فرماتے۔ ایک دن ریاست دادوں میں حافظ قاری رضاء المصطفیٰ زید مجدہم نے کسی طالب علم سے جھگڑتے ہوئے گالی بک دی، اس طالب علم نے حضرت کی خدمت میں شکایت کی، صاحبزادے کو اسی وقت بلوایا اور جواب طلب فرمایا، انھوں نے جواباً عرض کی: ابا میں نے گالی نہیں بکی، سختی سے فرمایا: ''پھر کیا دعا پڑھی تھی''۔

حضور کبھی کبھی مزاح بھی فرماتے۔ ایک مرتبہ ریاست ''دادوں'' میں حضرت مولانا امین الدین صاحب چھپروی علیہ الرحمہ ایک طالب علم سے گھیاں کے پتوں کا تقاضا فرما رہے تھے تو حضور نے سن کر ارشاد فرمایا: ''یہ پتے تو کیا' آپ کو گھیاں بھی نہیں دیں گے''۔ حضور اپنے طلبہ کو بزدل بھی نہیں بناتے تھے۔ ایک مرتبہ ریاست دادوں میں جب میں مدرسہ سے باہر بستی میں کسی کام سے گیا تو وہاں کے چند جاہل لڑکے جو مجھ سے میری اچھی صحت دیکھ کر جلا کرتے تھے انھوں نے مجھ سے بدکلامی کی، میں نے بھی ان کو برا بھلا کہا، وہ سب مل کر مجھ پر ٹوٹ پڑے، اور مجھے خوب زدوکوب کیا، میں روتا ہوا حضور کی خدمت میں فریادی ہوا، تو فرمایا: ''کدو کہیں کا، میرے پاس پٹ کر آیا ہے، مار کر آتا تو میں ان کو دیکھ لیتا''۔ (التقاط از حیات و خدمات)

مولانا سید مظہر ربانی باندہ:

باندہ کے مولانا سید مظہر ربانی بھی دادوں کے تلامذہ میں سے تھے۔ انھیں ہدایہ اخرین اور ملا حسن جیسی کتابیں حضور صدرالشریعہ علیہ الرحمہ سے پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔ ان کے والد گرامی حضرت قاری سید محمد عبدالمعبود جامعہ نعیمیہ مرادآباد میں شیخ التجوید تھے۔ اس لیے وہیں سے حفظ کیا پھر تجوید و قراءت کی تعلیم مدرسہ سبحانیہ الٰہ آباد میں حاصل کی، وہیں صدرالشریعہ کے شاگرد رشید مجاہد ملت کی زیارت ہوئی۔ عربی فارسی کی ابتدائی تعلیم کانپور میں حاصل کی، اس کے بعد والد ماجد نے فرمایا کہ تم کو کانپور کی بجائے مدرسہ حافظیہ سعیدیہ دادوں میں پڑھنا ہے، میں نے صدرالشریعہ سے بات کر لی ہے۔ چنانچہ والد صاحب انھیں لے کر دادوں روانہ ہو گئے، آگے کی تفصیل انھیں کی زبانی سنیے:

''والد ماجد مجھے ہمراہ لے کر طے شدہ پروگرام کے مطابق علی گڈھ پہنچ گئے۔ علی گڈھ اسٹیشن سے باہر آ کر والد صاحب نے مجھے سامان کی نگرانی کے لیے چھوڑا اور خود بس اسٹینڈ جا کر دادوں جانے والی بس کا حال معلوم کرنے لگے۔ شہر علی گڈھ سے دادوں کا فاصلہ ۳۰ میل کے قریب تھا۔ اتفاقاً دادوں سے ایک بس آئی جس سے چند علمائے کرام اترے۔ والد صاحب سے ان کی ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا کہ صدرالشریعہ علیہ الرحمہ ابھی تھوڑی دیر میں کسی ٹرین سے آنے والے ہیں۔ یہ علما انھیں کے استقبال کے لیے آئے ہیں۔ صبح غالباً دس گیارہ بجے کا وقت تھا۔ والد صاحب نے فوراً آ کر مجھے خوش خبری سنائی کہ صدرالشریعہ آنے والے ہیں۔ دادوں کے بجائے یہیں حضرت سے ملاقات ہو جائے گی۔ یہ کہہ کر وہ انھیں علما کے ساتھ پلیٹ فارم کی طرف روانہ ہو گئے۔ کانپور سے علی گڈھ

تک سفر میں والد ماجد نے غائبانہ صدر الشریعہ کا مجھ سے تعارف کرایا تھا۔ اس کی وجہ سے میرے ذہن میں صدر الشریعہ کا تصور کانپور والہ آباد وغیرہ میں دیکھے ہوئے بڑے بڑے علما کے تصور سے بہت بلند تھا۔

میں سوچ رہا تھا کہ حضرت کا قد وقامت کیسا ہوگا۔ لباس فاخرہ اور جبہ ودستار کا کیا عالم ہوگا۔ ابھی میں اسی قسم کے خیال میں غلطاں وپیچاں تھا کہ صدر الشریعہ اپنے استقبالیوں کے ہمراہ پلیٹ فارم سے باہر تشریف لائے "لیس الخبر کالمعائنۃ" تصورات کی نیا ڈوب گئی، میں نے حضرت کی دست بوسی کی معاملہ میرے تصور کے برعکس نکلا۔ حضرت معمولی کھدر یا سٹھے کا کرتا، چوڑی مہری کا پائجامہ، روئی کا ہرا شلوکا (کیونکہ سردی کا موسم تھا) معمولی کپڑے کی سفید گول ٹوپی زیب تن کیے ہوئے ہوتے۔ اہلیہ محترمہ اور بچے ہمراہ تھے۔ حافظ رضاء المصطفیٰ بچوں میں سب سے بڑے تھے۔ ان کی عمر گیارہ بارہ سال ہوگی۔ ان کے بعد سعیدہ وعائشہ دو صاحبزادیاں باقی سب صاحبزادے ان سے بھی چھوٹے تھے۔

دادوں پہنچ کر والد صاحب نے حضرت صدر الشریعہ کی سفارش سے مدرسہ حافظیہ سعیدیہ میں میرا داخلہ کرایا۔ اور رخصت ہو گئے۔ اس وقت صدر الشریعہ کے پاس جن طلبہ کے اسباق تھے ان میں قابل ذکر یہ ہیں مولانا اعجاز ولی خاں، مولانا حافظ مبین الدین فاروقی، مولانا محمد خلیل خاں، مولانا حافظ وقاری محبوب رضا خاں، مولانا سید ظہیر احمد زیدی، مولانا غلام ربانی، مولانا اختر الزماں خاں شیروانی، مولانا رفیق الحق صاحب وغیرہم۔

مدرسہ میں اور بھی اساتذہ تھے، جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں: مولانا امین الدین صاحب چھپروی، مولانا عبد الشاہد خاں صاحب شیروانی، مولانا شریف صاحب، مولانا نور محمد صاحب، میری استعداد کے مطابق میرے اسباق صدر صاحب کے بجائے مذکورہ مدرسین کرام کے پاس تھے۔ چند ہی روز میں مجھے صدر الشریعہ کی علمی جلالت وعظمت کا بخوبی اندازہ ہوگیا۔ اس وقت میری عمر سولہ یا سترہ سال تھی۔ بہت سے علما حضرت سے ملنے آیا کرتے تھے۔ اور پیچیدہ سوالات جو ان سے حل نہیں ہو سکتے تھے پیش کرتے، حضرت فوراً ان کو حل فرما دیتے تھے۔ حضرت کی شفقت وتوجہ سے میں بہت جلد حضرت کے قریب ہوگیا اور درس کے علاوہ ہر علمی مجلس میں بے تکلف حاضری کا موقع ملنے لگا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ کے سالانہ عرس میں حضرت بریلی شریف ضرور جاتے اور تلامذہ بھی ہمیشہ ان کے ہمراہ رہتے تھے۔ دادوں پہنچنے کے بعد میں بھی انھیں میں شامل ہوگیا، بریلی حاضری میں ہمارے دو مقصد تھے: (۱) اعلیٰ حضرت کے فیوض وبرکات کا حصول (۲) صدر الشریعہ کا اپنے ہم عصر علما سے ربط وتعلق اور علمی وفقہی مکالمات سے استفادہ۔

حضرت کی معیت کے طفیل میں نے بیک وقت جن بزرگوں کی زیارت کی ان میں قابل ذکر یہ ہیں:

حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں صاحب بریلوی، حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب مرادآبادی، حضرت محدث اعظم ہند سید محمد صاحب کچھوچھوی، حضرت مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں صاحب بریلوی، حضرت امیر شریعت مبلغ اسلام مولانا عبد العلیم صاحب صدیقی میرٹھی، حضرت ملک العلما مولانا ظفر الدین صاحب بہاری، حضرت برہان ملت مولانا برہان

الحق صاحب جبل پوری، وغیرہم رحمہم اللہ تعالی۔

ان کے علاوہ دیگر علمائے کرام جن سے ہماری ملاقات عرس کے موقع پر بریلی شریف میں ہوئی تھی۔ ان میں اکثریت صدرالشریعہ وصدرالافاضل کے شاگردوں کی ہوتی تھی، جو اس وقت ملک کے نامور مقرر، مناظر، مفتی، محدث، مفسر اور بڑے بڑے مدرسوں کے صدرالمدرسین تھے۔ عرس کے موقع پر پورا ماحول علمی مباحث، اور باہمی نقد و تبصرہ اور جرح وقدح کی آماجگاہ بن جاتا تھا۔

ایک مرتبہ صدرالشریعہ کے نئے اور پرانے تلامذہ کے درمیان بے تکلف اور دلچسپ گفتگو ہو رہی تھی۔ میں بھی وہاں موجود تھا کہ پالی کے مناظرہ کا تذکرہ چھڑ گیا۔ دیوبندیوں پر سنیوں کی فتح عظیم پر پالی والوں نے عظیم الشان جشن فتح منانے کا پروگرام بنایا اور صدرالشریعہ کو اجلاس کی صدارت کے لیے مدعو کیا۔ حضرت نے منظوری دے دی۔

پالی والے حضرت کی زیارت کے لیے بے چین تھے۔ انھوں نے حضرت کے شاگردوں کی قابلیت اور فن مناظرہ کی مہارت کا نظارہ اپنی آنکھوں سے کر لیا تھا۔ اسٹیشن پر بے شمار استقبالیوں کا ہجوم تھا۔ ٹرین پہنچتے ہی تکبیر ورسالت کے نعروں سے سارا پلیٹ فارم گونج اٹھا۔

حضرت ٹرین سے اترے اور استقبالیوں کا مجمع ہر طرف سے ٹوٹ پڑا مگر اکثریت نے حضرت کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ لہٰذا حضرت کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالنے والے کم تھے، زیادہ ہار مولانا سردار احمد صاحب گورداس پوری اور مولانا غلام جیلانی صاحب میرٹھی کے گلے میں ڈالے گئے۔ چونکہ حضرت کے یہ دونوں شاگرد قدآور جیم شحیم، اور نہایت شکیل وجیہہ تھے۔ اور علم وفضل میں یکتائے روزگار تھے۔ پہلے محدث اعظم پاکستان اور دوسرے صدرالعلما کہے جاتے ہیں۔ دونوں شاگرد ناسمجھ عوام کی کوتاہ نظری کی وجہ سمجھ گئے، فوراً انھوں نے ویٹنگ روم سے ایک کرسی منگوائی، اور اس پر حضرت کو بیٹھا دیا۔ اور خود دونوں حضرات دائیں بائیں زمین پر بیٹھ کر حضرت کے پیر دبانے لگے۔ سبحان اللہ۔ اب کچھ کہنے کی ضرورت نہیں تھی، ہر شخص نے سمجھ لیا کہ کون کیا ہے؟

مدرسہ حافظیہ سعیدیہ نواب ابوبکر خاں صاحب شیروانی نے اپنی علم دوستی ودریادلی کی بنیاد پر اپنی اسٹیٹ دادوں میں قائم کیا تھا، جو ایک پرانی حویلی میں تھا۔ اس کے سارے اخراجات کے لیے نواب صاحب نے چودہ ہزار روپئے سالانہ آمدنی کی اپنی جائداد وقف کر دی تھی۔

نواب ابوبکر خاں صاحب حافظ خیرآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مرید تھے۔ لہٰذا پیرومرشد کی نسبت سے مدرسہ کا نام حافظیہ اور اپنے والد ماجد کی نسبت سے سعیدیہ رکھا تھا۔ ابوبکر خاں صاحب کے بعد ان کے بھائی حاجی غلام محمد خاں صاحب شیروانی (حاجی میاں) رئیس اعظم موہن پورہ ضلع ایٹہ مدرسہ کے متولی رہے۔ موصوف متبع سنت اور علما کے بڑے قدرشناس تھے۔ انھیں کی کوششوں سے صدرالشریعہ اس مدرسہ میں تشریف لائے۔ حاجی میاں بھی حافظ خیرآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مرید تھے اور اپنے پیر کے بڑے شیدائی، پختہ کار شاعر بھی تھے۔ ان کی نعت ومنقبت کا مجموعہ دیوان حافظی کے نام سے طبع ہو چکا تھا۔ ان کا ایک شعر ہے: ؎

تم سے تم کو مانگتا ہے شاہِ اسلم بے نوا
ماسوا اس کے خدا شاہد تمنا کچھ نہیں

ضلع علی گڑھ میں دادوں کی طرح اور بھی جاگیریں تھیں اور اکثر جاگیرداروں کو نواب کہا جاتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک نواب صاحب نے اپنے یہاں بڑے پیمانہ پر جلسہ میلاد النبی منعقد کیا جس میں بہت سے نواب وجاگیردار اور رؤسا شریک ہوئے، علمائے کرام بھی کافی تعداد میں شامل تھے، صدر الشریعہ کی تقریر کا پروگرام تھا۔ حسب معمول صدر الشریعہ کے شاگرد بھی ہمراہ تھے، میں بھی طلبہ کی جماعت میں شامل تھا۔ سب نے باہمی مشورہ سے قاری محبوب رضا صاحب کو نمائندہ بنا کر حضرت کی خدمت میں درخواست پیش کی کہ حضور آج "انما انا بشر مثلکم" والی تقریر فرمائیں جو بریلی میں اعلیٰ حضرت کے عرس کے موقعے پر فرمائی تھی۔ اس تقریر سے بریلی کی فضا تحسین ومرحبا کے نعروں سے گونج اٹھی تھی۔ حضرت نے درخواست مسترد کردی، اور فرمایا کہ بریلی اور یہاں کے ماحول میں فرق ہے۔ بریلی کا بچہ بچہ اصل مابہ النزاع سے واقف ہے اس کے برعکس یہاں بہت سے لوگ طواغیت اربعہ کے ناموں تک سے واقف نہیں۔ ہمارے بیان سے گستاخانِ رسالت کا تعارف ہوگا۔ ان کی کفری عبارتیں پیش کرتے وقت ان کی کتابوں کے نام بھی بتائے جائیں گے۔ بہت سے ناپختہ کاران کی کتابیں پڑھیں گے تو گمراہ ہوجائیں گے۔ "کلموا الناس علیٰ قدر عقولھم" یہاں تو عشق رسول وتعظیم اولیا اور مسلک اعلیٰ حضرت کو دل میں اتارنے کی ضرورت ہے۔ جب دل نور ایمان سے منور ہوگا تو پھر کبھی بھی کہیں بھی کوئی بھی اس کے خلاف نظر آئے گا تو مومن کامل لاحول سے اس کا مقابلہ کرے گا۔ دادوں میں صدر الشریعہ پورے اطمینان وسکون کے ساتھ تدریس وتصنیف بہار شریعت وحاشیہ طحاوی شریف میں مصروف تھے، کہ حاجی میاں متولی مدرسہ کا انتقال ہوگیا۔ اور ان کی جگہ دوسرے رئیس اعظم مدرسہ کے متولی بن گئے۔ یہاں سے مدرسہ کے پورے نظم ونسق میں تغیر شروع ہوگیا۔ علم وعلما کی قدر ومنزلت کم ہونے لگی۔ کاسہ لیسی ودر باداری کا دور شروع ہوگیا۔ حضرت بھی دل برداشتہ ہوگئے۔ مگر ہونہار شاگردوں کے دورہ حدیث کی تکمیل تک دادوں کا قیام حضرت نے ترک نہیں فرمایا۔ مگر یہ بات ہر طرف پھیل گئی کہ حضرت دادوں چھوڑنے والے ہیں۔ وہ طلبہ جو حضرت ہی کی خاطر یہاں آئے تھے، سخت فکر وتشویش میں پڑ گئے۔ ایک دن ہم لوگوں نے عرض کیا حضور دادوں سے تشریف لے جائیں گے تو ہمارا کیا ہوگا؟ فرمایا فکر مت کرو میں جہاں جاؤں گا وہیں ان شاء اللہ تعالیٰ تمہارا انتظام بھی ہوجائے گا۔ دورۂ حدیث کی تقریب مدرسہ میں بڑی دھوم دھام سے ہوئی اس کے بعد حضرت دادوں سے رخصت ہوگئے۔ چند دنوں کے بعد حضرت نے مظہر العلوم کالج کچی باغ بنارس کی دعوت منظور فرمائی۔ اور صدر المدرسین کی مسند پر جلوہ افروز ہوگئے۔ مدرسہ حافظیہ سعیدیہ سے ۱۷ طلبہ بنارس پہنچ گئے اور حضرت کے حکم پر سب کا داخلہ ہوگیا۔ میں اور میرے ہم سبق مولانا لطف اللہ صاحب جلالی علی گڈھی پیش پیش تھے۔ ہمارے ساتھ افریقہ، ماریشش، کے ایک طالب علم مولوی محبوب خدا بخش دادا افریقی بھی تھے۔ جنھیں مبلغ اسلام مولانا عبدالعلیم صاحب صدیقی، میرٹھی نے صدر الشریعہ کی وجہ سے دادوں میں داخل کرایا تھا۔ (ملتقط از حیات وخدمات)۔ (جاری)

★★★

قسط نمبر (۲۲)

ضیائے تفسیر

از: شہزادۂ صدر الشریعہ علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری علیہ الرحمہ

پیشکش:۔ مفتی شمیم رضا اویسی۔ جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِىْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِىْ وَارْكَعِىْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّىْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّىْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْىِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِىْ بُيُوْتِكُمْ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَىَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِىْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۫ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّىْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِىْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ
الظّٰلِمِيْنَ ۝ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ
الْحَكِيْمِ ۝ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ
خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ اَلْحَقُّ
مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝ فَمَنْ حَآجَّكَ
فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا
نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ
وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۟ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ
اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۝ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ
وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ
الْحَكِيْمُ ۝ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ
بِالْمُفْسِدِيْنَ ۝ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ
سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا
نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا
مُسْلِمُوْنَ ۝ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ
وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْ بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا
تَعْقِلُوْنَ ۝ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ
عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاللّٰهُ
يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا
وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ
مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ
اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ وَلِيُّ
الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ
يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا
يَشْعُرُوْنَ ۝ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ
الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ ع

ترجمہ:

اور جب فرشتوں نے کہا اے مریم! بے شک اللہ نے تجھے چن لیا (۱) اور خوب ستھرا کیا (۲) اور آج سہارے جہاں کی عورتوں سے تجھے پسند کیا (۳) اے مریم! اپنے رب کے حضور ادب سے کھڑی ہو اور اس کے لیے سجدہ کر اور رکوع والوں کے ساتھ رکوع کر (۴) یہ غیب کی خبریں ہیں کہ ہم خفیہ طور پر تمہیں بتاتے ہیں (۵) اور تم ان کے پاس نہ تھے جب وہ اپنے قلموں سے قرعہ ڈالتے تھے (۶) مریم کس کی پرورش میں رہیں، اور تم ان کے پاس نہ تھے جب وہ جھگڑ رہے تھے (۷) اور یاد کرو! جب فرشتوں نے مریم سے کہا (۸) اے مریم اللہ تجھے بشارت دیتا ہے اپنے پاس سے ایک کلمہ کی (۹) جس کا نام ہے مسیح (۱۰) عیسیٰ مریم کا بیٹا (۱۱) رودار ہوگا دنیا اور آخرت میں (۱۲) اور قرب والا (۱۳) اور لوگوں سے بات کرے گا پالنے میں (۱۴) اور پکی عمر میں (۱۵) اور خاصوں میں ہوگا (۱۶) بولی اے میرے رب! میرے بچہ کہاں سے ہوگا مجھے تو کسی شخص نے ہاتھ نہ لگایا (۱۷) فرمایا اللہ یوں ہی (۱۸) پیدا کرتا ہے جو چاہے جب کسی کام کا حکم فرمائے تو اس سے یہی کہتا ہے کہ ہوجا وہ فوراً ہوجاتا ہے (۱۹) اور اللہ سکھائے گا کتاب اور حکمت اور توریت اور انجیل (۲۰) اور رسول ہوگا بنی اسرائیل کی طرف (۲۱) یہ فرماتا ہوا کہ میں تمہارے پاس ایک نشانی لایا ہوں (۲۲) تمہارے رب کی طرف سے کہ میں تمہارے لیے مٹی سے

پرند کی سی مورت بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ فوراً پرند ہوجاتی ہے(۲۳) اللہ کے حکم سے(۲۴) اور میں شفا دیتا ہوں مادرزاد اندھے(۲۵) اور سفید داغ والے کو(۲۶) اور میں مردے جلاتا ہوں اللہ کے حکم سے(۲۷) اور تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھانے اور جو اپنے گھروں میں(۲۸) جمع کر رکھتے ہو بے شک ان باتوں میں تمہارے لیے بڑی نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو اور تصدیق کرتا آیا ہوں اپنے سے پہلی کتاب توریت کی(۲۹) اور اس لیے کہ حلال کروں تمہارے لیے کچھ وہ چیزیں جو تم پر حرام تھیں(۳۰) اور میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لایا ہوں تو اللہ سے ڈرو اور میرا حکم مانو(۳۱) بیشک میرا تمہارا سب کا رب اللہ ہے تو اسی کو پوجو(۳۲) یہ ہے سیدھا راستہ، پھر جب عیسیٰ نے ان سے کفر پایا(۳۳) بولا کون میرے مددگار ہوتے ہیں اللہ کی طرف(۳۴) حواریوں نے کہا ہم دین خدا کے مددگار ہیں(۳۵) ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ ہوجائیں کہ ہم مسلمان ہیں(۳۶) اے رب ہمارے ہم اس پر ایمان لائے جو تو نے اتارا اور رسول کے تابع ہوئے تو ہمیں حق پر گواہی دینے والوں میں لکھ لے(۳۷) اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے ان کے ہلاک کی خفیہ تدبیر فرمائی(۳۸) اور اللہ سب سے بہتر چھپی تدبیر والا ہے(۳۹) یاد کرو! جب اللہ نے فرمایا اے عیسیٰ میں تجھے پوری عمر تک پہنچاؤں گا(۴۰) اور تجھے اپنی طرف اٹھالوں گا(۴۱) اور تجھے کافروں سے پاک کردوں گا(۴۱) اور تیرے پیروؤں کو(۴۲) قیامت تک تیرے منکروں پر غلبہ دوں گا، پھر تم سب میری طرف پلٹ کر آؤ گے تو میں تم

میں فیصلہ فرمادوں گا جس بات میں جھگڑتے ہو(۴۳) تو وہ جو کافر ہوئے میں انھیں دنیا و آخرت میں سخت عذاب کروں گا(۴۴) اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا اور وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے اللہ ان کا نیگ انھیں بھرپور دے گا اور ظالم اللہ کو نہیں بھاتے، یہ ہم تم پر پڑھتے ہیں کچھ آیتیں اور حکمت والی نصیحت(۴۵) عیسیٰ کی کہاوت اللہ کے نزدیک آدم کی طرح ہے(۴۶) اسے مٹی سے بنایا پھر فرمایا ہوجا وہ فوراً ہوجاتا ہے، اے سننے والے یہ تیرے رب کی طرف سے حق ہے تو شک والوں میں نہ ہونا(۴۷) پھر اے محبوب جو تم سے عیسیٰ کے بارے میں حجت کریں بعد اس کے کہ تمہیں علم آچکا تو ان سے فرمادو آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں پھر مباہلہ کریں تو جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں(۴۸) یہی بے شک سچا بیان ہے(۴۹) اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں(۵۰) اور بے شک اللہ ہی غالب ہے حکمت والا(۵۱) پھر اگر وہ منہ پھیریں تو اللہ فسادیوں کو جانتا ہے(۵۲) تم فرماؤ اے کتابیو!(۵۳) ایسے کلمہ کی طرف آؤ جو ہم میں تم میں یکساں ہے(۵۴) یہ کہ عبادت نہ کریں مگر خدا کی اور اس کا شریک کسی کو نہ کریں اور ہم میں کوئی ایک دوسرے کو رب نہ بنائے اللہ کے سوا(۵۵) پھر اگر وہ نہ مانے تو کہہ دو تم گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں اے کتاب والو! ابراہیم کے باب میں کیوں جھگڑتے ہو توریت و انجیل تو نہ اتری مگر ان کے بعد(۵۶) تو کیا تمہیں عقل نہیں سنتے ہو یہ جو تم ہو اس میں جھگڑے جس کا تمہیں علم تھا(۵۷) تو اس میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمہیں علم ہی نہیں اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں

جانتے (۵۸) ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی بلکہ ہر باطل سے جدا مسلمان تھے (۵۹) اور مشرکوں سے نہ تھے (۶۰) بے شک سب لوگوں سے ابراہیم کے زیادہ حق دار وہ تھے جو اُن کے پیرو ہوئے (۶۱) اور یہ نبی (۶۲) اور ایمان والے (۶۳) اور ایمان والوں کا والی اللہ ہے، کتابیوں کا ایک گروہ دل سے چاہتا ہے کہ کسی طرح تمہیں گمراہ کردیں (۶۴) اور وہ اپنے ہی آپ کو گمراہ کرتے ہیں (۶۵) اور انھیں شعور نہیں اے کتابیو! اللہ کی آیتوں سے کیوں کفر کرتے ہو (۶۶) حالاں کہ تم خود گواہ ہو (۶۷) اے کتابیو! حق میں باطل کیوں لاتے ہو (۶۸) اور حق کیوں چھپاتے ہو حالاں کہ تمہیں خبر ہے (۶۹)

تفسیر:

(۱) مریم کی بزرگی:

ہوسکتا ہے کہ ملائکہ نے یہ کلام مریم سے آمنے سامنے کیا ہو اور ہوسکتا ہے کہ بذریعہ الہام ہوا ہو، پہلا قول مناسب اور صحیح معلوم ہوتا ہے، جس طرح کہ سورۂ مریم میں ہے کہ فرشتہ نے حضرت مریم کے سامنے انسانی شکل میں بات کی، فرشتہ انسانوں سے بات کرسکتا ہے، لیکن یہ کلام وحی اس وقت ہوتا ہے جب کہ تبلیغ کے سلسلہ میں کسی کو مامور کیا گیا ہو، محض کلام فرشتگان وحی نہیں۔ (روح المعانی ۱۵۴)

"اصطفا" سے مراد بچپن میں ان کو خدمت بیت المقدس کے لیے چن لیا، یہ کام پہلے مردوں کے ساتھ خاص تھا، آپ کو سب سے پہلے یہ خدمت سپرد کی گئی اور غیب سے رزق بہم پہنچایا گیا۔ (کبیر ۶۷۰، خازن ۲۳۳)

(۲) مراد پاکیزگی اخلاق خصالِ حمیدہ ہے، نیز کفر ومعصیت سے پاکیزگی بھی ہے، جس طرح ازواجِ مطہرات کے لیے فرمایا گیا "**یطھر کم تطھیرا**" اسی طرح مرد کے چھونے سے پاک رکھا گیا۔ (کبیر ۶۷۰)

اس آیت میں یہودی افترا اور بہتان کا رد کرنا مقصود ہے، جنھوں نے ان کے پاک دامن پر دھبہ لگایا تھا اور ان کی عصمت پر بہتان لگایا تھا۔ (بیضاوی ۱۸)

(۳) "**العلمین**" یہ اصطفا جوانی کے وقت ہے اور پہلا بچپن کے وقت تھا لہٰذا یہ دوسرے معنی میں ہے، یعنی دنیا کی تمام عورتوں سے الگ تم کو یہ فضیلت دی کہ بغیر کسی مرد کے چھوئے تم کو عیسیٰ علیہ السلام کی ماں بنا دیا، پھر حضرت سے جو ابھی بچے تھے تمہاری پاکیزگی کی گواہی دلائی اور تم کو اور تمہارے بیٹے کو عالمین کے لیے آیت (نشان) بنایا۔ (کبیر ۶۷۰، خازن ۲۳۴)

حدیث سے بھی حضرت مریم کی فضیلت ثابت ہے:

(۱) بہترین عورت اُن کی (بنی اسرائیل) مریم بنت عمران اور بہترین عورت اِن کی (امت مسلمہ) خدیجہ بنت خویلد ہیں۔

(۲) مرد تو بہت سے مکمل ہوئے مگر عورتوں میں سے مکمل صرف مریم بنت عمران اور آسیہ فرعون کی زوجہ ہیں اور عائشہ کی فضیلت عورتوں پر ایسے ہے جیسے ثرید کی فضیلت باقی کھانوں پر۔

(۳) تمام عالمین کی عورتوں میں سے یہ کافی ہیں: مریم بنت عمران، خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد، آسیہ فرعون کی بی بی۔

(خازن ۲۳۴، ابن کثیر وغیرہ ۳۶۲)

(۴) یعنی فرشتوں نے عبادت اور رکوع وسجود اور نمازوں کا حکم سنایا، مجاہد سے مروی ہے کہ اس بات کے سننے کے بعد حضرت مریم نے اتنا لمبا قیام کیا کہ ان کے پاؤں پر ورم آ گیا۔ (طبری ۱۶۵)

اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مریم خدا کی عبادت وطاعت میں مصروف رہتی تھیں وہ خود خدا نہ تھیں اور نہ خدا کی ماں، اس طرح اس میں یہود ونصاریٰ دونوں کا رد ہوگیا کہ ایک نے تنقیص کی اور دوسرے نے غلو کیا۔

(۵) اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو علوم غیبیہ بذریعۂ وحی عطا فرمائے۔

(کبیر ۱۷۶، مدارک ۲۳۴)

(۶) قصہ اوپر "کفلھا زکریا" کی تفسیر میں گزر چکا۔

(۷) یعنی نہ آپ خود جسم ظاہری سے وہاں موجود تھے نہ آپ نے احبار ورہبان سے تعلیم حاصل کی اور جو باتیں آپ فرمارہے ہیں یہ ان کی باتوں سے ملتی بھی نہیں بلکہ کتب سابقہ میں جو غلطیاں داخل کردی گئیں ان کی بھی آپ اصلاح فرماتے ہیں، لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کا آپ پر احسان ہے اور اس کی تعلیم سے آپ جانتے ہیں اور یہ آپ کی نبوت ورسالت پر قوی وواضح دلیل ہے۔ (روح المعانی ۱۵۸، طبری ۱۶۸)

مریم کو عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی بشارت:

(۸) ملائکہ سے مراد جبریل ہیں جیسا کہ سورۂ مریم "فارسلنا الیھا روحنا" میں ان کی طرف اشارہ ہے، جمیع ملائکہ پر کلام اوپر گزر چکا ہے۔

(۹) چوں کہ حضرت عیسیٰ بغیر باپ کے کلمہ الٰہی "کن" سے پیدا ہوئے اس لیے ان کو "کلمۃ منہ" فرمایا گیا یہی اکثر مفسرین کا قول ہے، بعض نے کلمہ سے مراد کتاب اللہ بھی لی ہے یہ من ابتدائیہ ہے جیسا کہ حضرت مترجم علیہ الرحمہ نے ترجمہ سے ظاہر فرمایا ہے۔

(۱۰) مسیح کے بہت سے معانی مروی ہیں (۱) مبارک (۲) گناہوں اور گندگیوں سے پاک (۳) صدیق (۴) زمین پر سفر کرنے والا۔ اس معنے اخیر کے اعتبار سے حدیث میں دجال کو بھی مسیح کہا گیا ہے۔ (کبیر ۶۷۵، مدارک ۲۳۴ روغیرہ)

(۱۱) انجیل میں ان کو یسوع کہا گیا ہے، مریم کا بیٹا کہنے سے یہودیت نصرانیت کا بیک وقت رد ہوگیا کہ مریم کی ولادت اوران کی بشریت پہلے ثابت کی جاچکی ہے اور ان کے بطن سے یہ پیدا ہوئے تو یہ اللہ کیسے ہوگئے۔

(۱۲) دنیا میں اسلام کے آنے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عزت وعظمت کا سکہ رواں ہوگیا مسلمان ان کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا ایک برگزیدہ پیغمبر مانتے ہیں اور ان پر صلاۃ وسلام بھیجتے ہیں، عیسائی بھی ان کی عزت اور وجاہت کے قائل ہیں گو انھوں نے اس میں مبالغہ کیا، رہے یہودی تو اب ان کی سنتا کون ہے کہ ان کے طعن وتشنیع سے مقام حضرت عیسیٰ میں کوئی فرق پیدا ہوسکے، آخرت میں وجاہت اس طرح کہ اللہ تعالیٰ ان کی شہادت ان کی امت کے بارے میں مقبول فرمائے گا، نیز جنت میں اعلیٰ مراتب پر فائز کرے گا اور ان کی شفاعت قبول فرمائے گا۔

(کبیر، بیضاوی ۱۸، مدارک ۲۳۵)

(۱۳) اس میں اشارہ اس کے بلند درجات اور آسمان کی طرف اٹھائے جانے کی طرف ہے، نیز یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ یہ وصف اور بھی اللہ کے بندوں کو حاصل ہے، حضرت عیسیٰ اس بات میں منفرد نہیں۔ (بیضاوی ۲۳۵)

(۱۴) یعنی ابھی چھوٹے سے بچے پنگوڑے میں ہوں گے اسی وقت کلام فرمائیں گے جیسا کہ اس کی صراحت سورۂ مریم میں فرمادی گئی کہ آپ نے اپنی نبوت اور حضرت مریم کی برأت پر گواہی دی۔ (خازن ۲۳۵)

عجیب بات ہے کہ اناجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس بچپن کے کلام اور اظہارِ براءت مریم سے خاموش ہیں۔

(کبیر ۶۷۷)

(۱۵) کہولت، زمانہ جوانی اور بُڑھاپے کے درمیان کا وقت ہے، اس کا استعمال ۳۰/سال سے اوپر کے لیے ہوتا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جس شخص کے بالوں میں سفیدی ظاہر ہو اس کو کہل کہتے ہیں، حضرت عیسیٰ کے بچپن اور درمیانی عمر کے ذکر کرنے میں نصاریٰ کا رد ہے کہ وہ خدا نہ تھے اور اس میں حضرت مریم کی بھی تسلی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو عمر طویل عطا فرمائے گا۔ (خازن ۲۲۵، کبیر ۶۷۷)

بعض حضرات نے اس لفظ سے حضرت عیسیٰ کے آسمان سے نازل ہونے پر بھی استدلال کیا ہے، خصوصاً یہ استدلال اس وقت قوی تر ہو جاتا ہے جب کہل کے معنی بعض بالوں کے سفید ہونے کے، لیے جائیں کہ حضرت عیسیٰ کے آسمان پر اٹھائے جانے کے وقت ۳۳/سال اور چند ماہ کے تھے۔

(کبیر ۶۷۷، روح المعانی ۱۶۴)

(۱۶) اس کے متعلق تحقیق اوپر گزر چکی ہے۔

(۱۷) یہ سوال تعجب اور استبعاد کے لیے تھا، شک و شبہ کے لیے نہ تھا، یعنی اب تک تو مجھے کسی انسان نے ہاتھ تک نہیں لگایا اور آئندہ شادی کرنے کا میرا خیال نہیں، پھر میرے کیسے لڑکا پیدا ہوگا، ظاہر ہے کہ بشارت سے حضرت مریم کو یہی سمجھ میں آیا تھا کہ بغیر باپ کے یہ بچہ پیدا ہوگا اور اسی لیے انھوں نے اپنی حیرانی ظاہر فرمائی اور اپنی پاکیزگی کا بیان کیا۔

(۱۸) ایسے ہی یعنی بغیر انسان کے چھوئے ہماری قدرتِ کاملہ سے ہوگا "یخلق ما یشاء" کی نص اور تصریح اس لیے کی ہے کہ جو چاہے پیدا فرمائے، کوئی چیز جسے وہ پیدا فرمانے کا ارادہ کرے ضرور پیدا ہوگی، خواہ اسباب کے ذریعہ یا بغیر اسباب کے اور اس مخلوق کو اپنا نشانِ قدرت بنا دیا۔

(خازن ۲۳۶، ابن کثیر ۳۶۴)

(۱۹) یعنی اس کے حکم کی دیر ہے، وہ جو حکم فرماتا ہے وہ چیز کتم عدم سے منصۂ شہود پر نمایاں ہو جاتی ہے، اس آیت نیز سورۂ مریم کی آیتوں نے یہ بات بالکل واضح فرما دی کہ مریم بتول سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بغیر توسط کسی مرد کے محض قدرتِ الٰہیہ سے ہوئی ہے، بعض لوگ آیتوں کو توڑ مروڑ کر خواہ مخواہ حضرت عیسیٰ کا باپ حضرت یوسف نجار کو بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کے لیے قرآن کے اندازِ بیان کو نظر انداز کر کے اپنی ایچ پیچ لگاتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ قرآن اس چیز کا ہرگز متحمل نہیں، اگر حضرت عیسیٰ کا کوئی باپ تھا تو اس مسئلہ کو قرآن پاک نے گول کیوں کر دیا اور صاف صاف کیوں نہ فرما دیا کہ فلاں شخص باپ ہے اور قصہ ختم ہو جاتا، یہ لمبی لمبی آیتیں اس قصہ کی نازل ہو رہی ہیں اور ایک معمولی بات کو قرآن کھول نہیں سکتا؟ لہٰذا معلوم ہوا کہ اصل مقصد ہی ہے کہ حضرت عیسیٰ بغیر باپ کے پیدا ہوئے، بہت سی جگہ قرآن پاک میں ابن مریم آیا اور کہیں بھی باپ کا نام اشارۃً بھی ذکر نہ ہوا، اس مسئلہ میں یہود حضرت مریم و عیسیٰ پر تہمت لگاتے ہیں اور عیسیٰ اس بات کے قائل تھے کہ حضرت عیسیٰ بغیر باپ کے پیدا ہوئے اور یہی لوگ اس آیت کے اصل مخاطب ہیں، قرآن پاک ان کے سامنے اصل حقیقت بے کم وکاست بیان کر سکتا تھا کہ فلاں باپ کے بیٹے ہیں، اللہ تعالیٰ اتنی بات بھی معاذ اللہ ان کے عقیدہ میں بیان کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔

''تعالی اللہ عما یقول الظلمون علوا کبیرا''
یوسف نجار سے منگنی کا قصہ قرآن پاک یا حدیثوں میں کہیں موجود نہیں، اس لیے یہ بھی یہود و نصاریٰ کی گڑھنت معلوم ہوتی ہے، ہاں روایتوں سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ یوسف بھی بیت المقدس کے خدام میں سے ایک خادم تھے، یہود نے ان کو متہم کیا، اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کی زبانی تہمتیں دفع فرمادیں۔

(۲۰) کتاب سے مراد یا تو لکھنا ہے یا کتابِ الٰہیہ ہیں، دوسرے معنی انسب ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ ان کو کتب سابقہ صحف ابراہیم وغیرہ اور توارات انجیل کی تعلیم عطا فرمائے گا، کتابت کا کمال کوئی اتنا بڑا کمال نہیں کہ اس مقام پر ذکر کیا جائے۔ (حضرت مترجم علیہ الرحمہ نے پہلے کو اختیار کیا ہے)

(۲۱) یعنی آپ رسول ہوں گے ساحر و شعبدہ باز نہ ہوں گے جیسا کہ یہود نے تہمت لگائی۔ (ملاحظہ ہو سورۂ صف، پ ۲۸)

حضرت عیسیٰ کی ہدایت بنی اسرائیل کے ساتھ خاص تھی، چنانچہ انجیل میں باوجود بے شمار تحریف کے ابھی تک یہ مضمون موجود ہے ''اس نے جواب میں کہا کہ بنی اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس بھیجا نہ گیا''۔ (متی ۱۶:۱۴)

(۲۲) آیت کے معنی نشان کے ہیں معجزہ انبیا کی صداقت کا نشان ہوتا ہے اس لیے اسے بھی آیت کہتے ہیں، معجزہ ایک غیر عادی ممکن واقعہ کا ظہور ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ پیغمبر کو تائید الٰہی حاصل ہے، دنیا کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے لیکن اسباب کے بغیر یا ظاہر اسباب کے ماسوا بھی اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے جو چاہے پیدا کرسکتا ہے، اہل ایمان اس معاملہ میں شکوک و شبہات سے بالا ہیں، اب قرآن کریم اور اناجیل و توارات سب کی تصدیق سے ہر ''نشان'' جو کسی رنگ میں ظاہر ہوا لائق یقین و واجب تسلیم ہے اس میں صرف وہی لوگ مشتبہ ہیں جن کے ایمان میں تزلزل اور عقیدہ میں نفاق کی آمیزش ہے۔

(۲۳) بعض لوگوں نے کہا کہ یہ معجزہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کے طلب پر ظاہر کیا اور بعض نے کہا کہ بغیر طلب خود یہ معجزہ ظاہر کیا، اکثر نے پہلا قول لیا ہے کہ بنی اسرائیل نے حسب معمول آپ کے نبی ہونے سے انکار کیا اور تعنت و عناد سے یہ مطالبہ کیا کہ آپ خفاش (چمگادڑ) پیدا کریں تو آپ نے ان کے سامنے یہ معجزہ دکھا دیا، لیکن پھر بھی یہود نے آپ کو جادوگر کہا، اس حدیث کو ابوالشیخ نے ابن عباس سے روایت کیا ہے، وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ لوگوں کے سامنے وہ پرندہ ہوجاتا اور جب دور نکلتا تو گر پڑتا۔
(روح المعانی ۱۶۸، کبیر ۶۸۰، خازن ۲۴۶/وغیرہ)

(۲۴) یعنی میرا کام صرف صورت بنانا ہے زندگی صرف اللہ تعالیٰ کے بنانے اور کرنے سے ہے کہ اس نے میرے ہاتھ سے یہ معجزہ ظاہر فرمادیا۔ (خازن ۲۴۶)

اس قید میں شبہ الوہیت کا ازالہ ہے۔ (کبیر ۶۸۱)

تعجب ہے کہ موجودہ چاروں انجیلیں اس معجزے کے ذکر سے خالی ہیں، لیکن قبطی کلیسا کی انجیل میں ذکر ہے۔

(۲۵) ''اکمہ'' کے معنی مادرزاد اندھے کے ہیں، ابن عباس، قتادہ سے یہی مروی ہے۔ (طبری ۱۷۳)

عطا کہتے ہیں کہ جن کی آنکھ کی جگہ بالکل بند اور سپاٹ ہو۔ (روح المعانی ۱۶۹)

سدی، قتادہ، حسن وغیرہ نے ''اکمہ'' کی تفسیر اندھے

سے کی ہے۔(طبری ۱۷۳)

انجیل یوحنا میں مادرزاد اندھے کی تصریح موجود ہے۔ (۹۔۱۰۷) لہٰذا اس معنی کو زیادہ معتبر ماننا چاہیے اور اندھوں کا تو علاج بھی ہوسکتا ہے لیکن مادرزاد اندھوں کا علاج طبیبوں سے ممکن نہیں، محض چھوکر ایسے لوگوں کو بینا کر دینا صریح معجزہ ہے۔

(۲۶) کوڑھی کو تندرست کر دینا بھی طبیبوں کے لیے ناممکن تھا، لیکن حضرت عیسیٰ ان کو بھی تندرست فرما دیتے تھے، اناجیل نے بھی ان معجزوں کو ذکر کیا ہے۔ برص کے معنی سفید داغ کے آتے ہیں۔(روح المعانی ۱۶۹)

صرف چند دشوار بیماریوں کا ذکر نموتناً فرمایا گیا ہے، ورنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہر قسم کے بیماروں کو شفا دیتے تھے، چنانچہ بیک وقت پچاس ہزار بیماروں کی تعداد بھی آئی ہے جیسا کہ وہب سے مروی ہے اور آپ سب کو تندرست کر دیا کرتے تھے۔(روح المعانی ۱۶۹)

(۲۷) آپ نے بہت سے مُردے زندہ کیے جن میں سے چند کا ذکر موجودہ اناجیل میں بھی ہے۔

لوقا کی انجیل میں ہے: ''تھوڑے عرصہ کے بعد ایسا ہوا کہ وہ مائیں نامی ایک شہر کو گیا اور اس کے شاگرد اور بہت سے لوگ اس کے ہمراہ تھے، جب وہ شہر کے پھاٹک کے نزدیک پہنچا تو دیکھا کہ ایک مرد کو باہر لیے جاتے تھے وہ اپنی ماں کا اکلوتا تھا اور وہ بیوہ تھی اور شہر کے بہتیرے لوگ اس کے ساتھ ساتھ تھے، اسے دیکھ کر خداوند کو ترس آیا اس سے کہا رونہیں پھر اس نے پاس آکر جنازے کو چھوا اور اٹھانے والے کھڑے ہوگئے اور اس نے کہا کہ اے جوان! میں تجھ سے کہتا ہوں اٹھ، وہ مردہ اٹھ بیٹھا اور بولنے لگا اور اس نے اس کی ماں کو سونپ دیا اور سب پر دہشت چھا گئی''۔

(لوقا ۷۔۱۱۔۱۶، نیز ۷۔۴۲، انجیل متی ۹۔۱۸۔۲۵)

ایک تازہ میت ایک سردار کی لڑکی کے جلا اٹھانے کا ذکر ہے اور انجیل (یوحنا ۱۱ھ ۱۔۲۴) میں چار روز کے دفن شدہ مردہ ''لعزر'' کے احیا کا بڑے زور وشور سے ذکر ہے، لہٰذا ان واقعات کے مطابق قرآن ہونا ثابت اور تحقیقی امر ہے۔

(۲۸) یہ فقرہ مزید تاکید وتصریح کے لیے مکرر ذکر فرمایا گیا کہ ان تصرفات کو میری طرف ہرگز منسوب نہ کرو، بلکہ جو کچھ ہوا محض خدائے تعالیٰ کی رضامندی اور مشیت سے ہوا۔

(مدارک ۲۳۶)

(۲۹) یعنی ایسی چیزیں جو مخفی اور پوشیدہ ہیں ان پر بھی مجھے اللہ تعالیٰ نے اطلاع دی ہے۔

مسئلہ:۔ انبیائے کرام غیب کی خبریں اللہ تعالیٰ کے بتانے سے بتاتے ہیں، اس پر کسی شخص کو انبیا کے سوا راستہ نہیں۔

(خازن ۲۳۷)

یہ دو مثالیں آیت میں مذکور ہیں، ورنہ ہر قسم کے مغیبات سے خبر دیتے تھے۔(روح المعانی ۱۷۰)

(۳۰) یعنی ہر نبی اگلے نبی کی تصدیق اور اس کے پیغام کی تکمیل کے لیے آتا ہے، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے لیے بھی قرآن پاک نے یہی الفاظ استعمال کیے ہیں۔

(خازن ۲۳۷)

یہی مفہوم مروجہ انجیل میں بھی موجود ہے ''یہ نہ سمجھو کہ میں تورات یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں، منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں''۔(متی ۵:۱۷)

(۳۱) یعنی بعض وہ چیزیں جو تورات میں تم پر حرام تھیں

ان کو حلال کرنے آیا ہوں، اس لیے کہ ضرورت زمانہ کے مطابق بعض جزئیات اور فقہی فروع میں کمی بیشی تصدیق کے منافی نہیں، جس طرح قرآن پاک کا تورات کو منسوخ کرنا اور خود قرآن کی بعض آیتوں کا بعض کو منسوخ کردینا ان کی تصدیق اور حقانیت کے منافی نہیں، اس لیے نسخ کے معنی زمان کی تخصیص یا اجمال کی تفصیل ہے، کسی حکم کا ابطال نہیں۔

(بیضاوی ۲۰ کاردونی)

بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تورات کے کسی حکم کو منسوخ نہیں کیا، وہ تو صرف مواعظ اور حکمتیں بیان کرتے تھے، البتہ احبار اور فریسیوں نے جو سختیاں خلاف حکم شرع اپنی طرف سے کردی تھیں ان کی تغلیط کے لیے تشریف لائے تھے اور اس خلط ملط کو تورات سے الگ کرنا ان کا مقصود تھا۔(روح المعانی ۱۷۱)

(۳۲) اللہ سے تقویٰ کرنے والا اس کے رسول کی اطاعت ضرور کرے گا، اس لیے کہ یہ تقویٰ کی دلیل اور تقویٰ کا تابع ہے۔(خازن ۲۳۸)

(۳۳) اس میں نصاریٰ کا رد ہے، جنھوں نے ان کو مرتبۂ الوہیت دے دیا ہے، یہ مقولہ حضرت عیسیٰ کا انجیل برنابا میں بہت سی جگہ ہے اور متداول انجیلوں میں باوصف تمام تحریفات کے یہ مضمون ملتا ہے "خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اس کی عبادت کر"۔(متی ۴:۱۰)

بہر صورت تثلیث کی گندگی سے حضرت مسیح کا دامن پاک ہے۔

(۳۴) بنی اسرائیل نے کفر و تعدی، استہزا اور تعنت کا جو طریقہ اختیار کیا وہ اتنا برملا تھا کہ اس کی حقیقت کے اظہار کے لیے "احس" (محسوس کیا) سے بہتر کوئی لفظ نہیں مل سکتا۔

(خازن ۲۳۸)

(۳۵) یعنی اللہ کی طرف جانے کے لیے یا اللہ کے دین اور اس کے راستے کی کون امداد کرتا ہے، الی کے معنی مع اور لام کے ہیں اور فی کے معنی میں بھی ہوسکتا ہے، پہلے معنی کو بیضاوی وغیرہ نے اختیار کیا ہے اور مترجم علیہ الرحمہ نے بھی یہی ترجمہ کیا کہ اصل الفاظ کے یہی مطابق اور عین حقیقت ہے۔

(۳۶) اللہ کے رسول اور اس کے دین کی مدد کرنے سے انسان خود اللہ کے تقرب اور مقبولیت کے اس درجے میں پہنچ جاتا ہے جہاں وہ اللہ کا مددگار ہوجاتا ہے، جس طرح بیت اللہ اور ناقۃ اللہ فرمایا گیا جس میں نسبت تشریف وکرامت کے لیے ہے، اسی طرح انصار اللہ بھی تشریف کی نسبت ہے، حواری کے اصل معنی کھرے دھونے والے کے ہیں۔ "حورت الشیء بیضتہ" چوں کہ ابتداءً یہ لوگ کپڑے دھوتے تھے اس لیے ان کا یہ لقب ہوا، حواری کے معنی مددگار کے بھی آتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خندق کے وقت حضرت زبیر کے لیے فرمایا "لکل نبی حواری و حواری الزبیر" (متفق علیہ)۔

(خازن ۲۳۸)

(۳۷) یعنی قیامت میں جب رسول اپنی امتوں کے گواہ ہوں گے آپ ہمارے اسلام کی گواہی دیں۔(بیضاوی ۲۱)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگلے انبیا ان کے متبعین کا دین اسلام ہی تھا، یہودیت یا نصرانیت سے یہ حضرات نا آشنا تھے۔(خازن ۲۳۸)

(۳۸) یعنی ان لوگوں میں ہمارے نام لکھ دے جنھوں نے تیرے انبیا کی تصدیق کی شہادت دی یا امت محمد مصطفیٰ صلی

اللہ علیہ وسلم جو تمام انبیا اور ان کی امتوں پر شاہد ہیں ان میں ہمارا نام بھی درج ہو جائے۔(خازن ۲۳۸)

(۳۹) یہود کے اکابر سرداروں نے ایذا اور شہزا سے گزر کر حضرت عیسیٰ کے قتل کا ارادہ کیا اور اس کی یہ خفیہ تدبیر کی کہ پہلے آپ پر مذہبی عدالت میں الحاد کا الزام لگا کر واجب القتل قرار دیا جائے پھر رومی حاکموں کی ملکی عدالت یں ان کے خلاف بغاوت کا مقدمہ چلا کر ان کو قتل کر دیا جائے، یہ واقعہ صوبہ فلسطین ملک شام میں ہوا، یہ علاقہ اس زمانہ میں سلطنت روما کے زیر حکومت تھا یہاں کے یہودیوں کو مذہبی امور میں ایک گونہ خودمختاری حاصل تھی گورنر فلسطین پیلاطوس روما کا نمائندہ تھا جس کے ماتحت ایک یہودی والی فلسطین تھا، رومیوں کا مذہب شرک و بت پرستی تھا، جرم الحاد کی سزا مذہبی عدالت تجویز کرتی اور اس کا نفاذ ملکی حکومت کرتی تھی، یہود کی اسکیم یہ تھی کہ ہم الحاد کے جرم میں سزا تجویز کر دیں اور موت کی سزا رومی حکومت سے دلوا دیں، قرآن پاک کا لفظ "مکروا" اس ساری اسکیم کے بیان پر حاوی ہے۔"ومکر اللّٰہ" اللہ تعالیٰ نے ان کی ساری تدبیریں خاک میں ملا دیں اور حضرت مسیح کو سولی سے بچا لیا، یہاں لفظ مکر کے استعمال میں مفسرین نے کئی طریقہ استعمال فرمائے ہیں، مثلاً (۱) مکر اللہ کے معنی جزا اور بدلہ کے ہیں، جیسے "جزاء سیئة سیئة" برائی کا بدلہ برائی ہے۔"انما نحن مستهزؤن الله يستهزء بهم" وہ کہتے ہیں کہ ہم توٹھٹھا کرتے ہیں اللہ ان سے استہزا کرتا ہے وغیرہا آیات میں برائی کا بدلہ، استہزا کا بدلہ مراد ہے۔ اسی طرح آیت میں جزائے مکر مراد ہے۔ (۲) پھر عربی زبان میں مکر کے کوئی برے معنی بھی نہیں، مکر اچھا بھی ہوتا ہے اور برا بھی ہوتا ہے اصل معنی خفیہ اور گھری تدبیر کے ہیں، امام رازی فرماتے ہیں کہ مکر کے معنی خفیہ طریقہ سے کسی کو نقصان پہنچانا ہے، دوسرے علما فرماتے ہیں کہ تدبیر محکم کو مکر کہتے ہیں۔

(روح المعانی ۱۷۹)

حضرت مترجم علیہ الرحمہ نے اسی کو اختیار کیا۔

(۴۰) یعنی تمام خفیہ تدبیریں کرنے والوں سے بہتر اللہ کی ذات والاصفات ہے۔(روح المعانی ۱۷۹)

(۴۱) توفی کے اصل معنی لینے اور وصول کرنے کے ہیں ''روح قبض کرنا'' اس لفظ کا مجازی استعمال ہے، لہٰذا آیت کا مطلب یہ ہوا کہ میں تم کو دنیا سے واپس بلاؤں گا اور تمہارے دشمنوں کو تم پر قتل وغیرہ سے تسلط اختیار نہیں کرنے دوں گا، اس آیت میں مفسرین کے بہت اختلافات ہیں، اس لیے کہ اگر "متوفیک" کے معنی موت دینے کے لیے جائیں تو یہ آیت دوسری آیت کے خلاف معلوم ہوتی ہے، سورۂ نساء رکوع ۲۲ر میں "وان من اهل الكتب الا ليومنن به قبل موته ويوم القيمة يكون عليهم شهيدا" اس لیے مفسرین کے یہاں بہت سے اقوال ہیں: (۱) واؤ مطلقاً جمع کے لیے ہے ترتیب کے لیے نہیں کہ جو پہلے ذکر ہو وہ مفہوم میں بھی مقدم ہو بلکہ یہ سب باتیں ہوں گی (الف) آپ کو اپنے وقت پر وفات ہوگی، قتل یا سولی نہیں دی جائے گی (ب) آپ کو آسمان پر اٹھا لیا جائے گا (ج) آپ کے دامن کو سازشی گروہوں کی شرارتوں سے پاک اٹھایا جائے گا، اب پہلے کون ہوگا اور بعد میں کون ہوگا اس کا فیصلہ سورہ نساء والی آیت اور "وانه لعلم الساعة"۔(زخرف، ع ۶) اس بات کا فیصلہ کرتی ہے کہ وہ زندہ ہیں۔ (۲) پہلے گزر چکی۔ (۳) آپ کی

زندگی پوری گزارنے کے بعد آپ کو وفات دی جائے گی اس وقت نہیں، حضرت مترجم علیہ الرحمہ نے اسی کو اختیار فرمایا۔ (۴) وفات سے مراد نوم ہے، جیسے "اللّٰہ یتوفی الانفس تا الی اجل المسمی"۔ (زمر، ع۵) اور جس طرح "ھو الذی یتوفکم باللیل تا مسمی"۔ (انعام، ع۷) (۵) بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ تین یا سات گھنٹہ تک مرے رہے، پھر زندہ ہوگئے، پہلی وہب بن منبہ کی روایت ہے جو انجیل سے نقل کرنے میں مشہور ہیں، یہ اسلامی روایت نہیں، سات گھنٹہ والی روایت ابن اسحاق کی ہے جنھوں نے خود تصریح کی ہے کہ یہ خیال نصاریٰ کا ہے، لہٰذا یہ پانچواں قول غیر اسلامی اور غلط ہے، قرطبی اور ابن جریر طبری اور باقی مفسرین سب اس پر متفق ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بغیر وفات وقوم آپ کو آسمان پر اٹھا لیا۔ اور حضرت ابن عباس سے صحیح روایت بھی یہی ہے۔ (روح المعانی) مزید تفصیل سورۂ نساء میں آئے گی۔

(۴۲) یعنی اپنے آسمان کی طرف اٹھا لوں گا بغیر موت دیے اور قبل قیامت آپ دنیا میں پھر تشریف لائیں گے۔ جب کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث متفق علیہ ہے، قریب ہے کہ ابن مریم تم میں نازل ہوں حاکم عادل منصف ہوکر جو صلیب توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ مقرر کریں گے اور مال اتنا زیادہ ہوگا کہ کوئی قبول نہ کرے گا۔ اس کے علاوہ اور بہت سی حدیثیں ہیں جن میں نزول مسیح کا تذکرہ ہے۔ آپ چالیس سال زمین میں اقامت فرمائیں گے اور مدینہ میں وفات پائیں گے اور وہیں روضۂ منورہ میں دفن کیے جائیں گے۔ (خازن ۱؍۲۴۱)

"یضع الجزیۃ" کی ایک تفسیر ہم نے ترجمہ میں ذکر کردی۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ جزیہ ختم کردیں گے اور اب صرف اسلام مقبول ہوگا۔

(۴۳) یہود سے آپ کو دور کردوں گا، ان کی بُری صحبت اور ان کی ایذا کا اثر آپ تک نہ پہنچ سکے گا۔ (مدارک ۱؍۲۴۱)

(۴۴) متبعین سے مراد پہلے عیسائی اور مسلمان ہیں، ان کا غلبہ کافروں پر معنوی اور ظاہری دونوں مراد ہوسکتے ہیں، معنوی حجت و دلیل سے یہ غلبہ تو ظاہر ہے کہ ہر وقت حاصل ہے اور اگر غلبہ ظاہری ملکی اور حکومتی مراد ہے تو سچے عیسائی اور مسلمانوں کو یہود پر غلبہ حاصل ہونا شبہ سے بالاتر ہے، بلکہ جو عیسائی کہ سچے نہیں مگر حضرت عیسیٰ کو مانتے ہیں، یہ غلبہ ظاہری یہود پر ان کو بھی حاصل ہوا اور ہے کہ کسی نہ کسی رنگ میں تھوڑا سا اتباع تو ان میں پایا جاتا ہے۔ (خازن ۱؍۲۴۱، روح المعانی ۱۸۳، کبیر)

(۴۵) یعنی میدانِ قیامت میں ان تمام اختلافات کا حقیقی اور حتمی فیصلہ ہوگا، محق کو جنت و کرامت ملے گی اور مبطل کو جہنم اور ذلت نصیب ہوگی، پھر اس فیصلہ کا خود ہی بیان فرمادیا کہ:

(۴۶) دنیا میں یہود کا جو حال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوا، وہ کسی تاریخ داں پر مخفی نہیں کہ ان کی کوئی اجتماعی حکومت نہیں اور وہ دنیا کے ہر حصہ میں ذلیل وخوار رہے، ابھی چند سال ہوئے جرمنی اور ملحقہ علاقوں میں یہود پر جو سختیاں اور ذلتیں گزریں سب کو معلوم ہے اور آخرت کا عذاب ان سب پر بالا ہے۔

(۴۷) حکیم سے مراد صاحب حکمت ہے یا محکم اور مضبوط ہے یا باطل کے دخل سے پاک ہے۔ (خازن ۱؍۲۴۱)

(۴۸) شان نزول:۔ نجران کے وفد نے حضور سے جو

دینی مباحثہ کیا اس میں حضرت عیسیٰ کا بغیر باپ کے پیدا ہونا بھی آیا، نصاریٰ نے کہا کہ حضرت عیسیٰ کے باپ نہ تھے، ان کا مقصد اس کہنے سے یہ تھا کہ خدا ان کا باپ تھا، اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر حضرت عیسیٰ کا بغیر باپ کے ہونا تم کو شبہے میں ڈالے تو ہم اپنا ایک اور بندہ مثال کے طور پر پیش کرتے ہیں جو حضرت عیسیٰ سے بھی عجیب تر تھا، یعنی آدم جن کے نہ باپ تھے اور نہ ماں تھی تو اگر آدم باوجود ماں باپ نہ ہونے کے خدا نہیں ہوسکتے تو عیسیٰ صرف بغیر باپ کے ہونے کے سبب خدا کیوں کر ہو گئے۔

(خازن ۲۴۲/مدارک وغیرہ)

(۴۹) اس قسم کے مواقع پر خطاب مخاطب سے ہوا کرتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حقیقت میں اس کے مخاطب نہیں ہوتے حضرت مترجم بریلوی علیہ الرحمہ کا ترجمہ بالخصوص ایسے مقاموں پر نہایت ہی موزوں ہوا کرتا ہے ''اے سننے والے'' بعض حضرات کا خیال ہے کہ خطاب حضور سے ہے مگر مخاطب امت کے لوگ ہیں۔ (خازن ۲۴۲/وغیرہ)

(۵۰) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نصاریٰ نجران کو دعوت مباہلہ دے دی کہ حجت اور دلیل تو بہت ہو چکی اب بھی اگر تم ناحق پر اڑے ہو تو آؤ اپنی اولاد اور عورتوں لڑکیوں کو ہمراہ لاؤ اور اللہ تعالیٰ سے تضرع وزاری سے دعا کرو کہ جو فریق ناحق پر ہو اس پر خدا کی لعنت نازل ہو، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود اور اپنے ابنا حضرت سیدنا علی امام حسن و حسین اپنی نساء بیٹی سیدتنا فاطمہ کو لے کر میدان میں آئے اور ابوبکر صدیق اور ان کے اہل وعیال کو لائے اور عمر فاروق اور ان کے اہل وعیال کو لائے اور عثمان غنی اور ان کے اہل وعیال کو لائے، نصاریٰ نجران کو حضور کی نورانیت اور حقانیت کے مقابلے میں آنے کی جرأت نہ ہوئی اور جزیہ پر راضی ہو گئے، کہنے لگے کہ ہمارے پاس کوئی امین بھیج دیں جو ہم سے جزیہ وصول کرے، چنانچہ آپ نے فرمایا کہ میں امین پورا پورا بھیج دوں گا، نماز فجر کے بعد حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کو ان کے ہمراہ کر دیا اور فرمایا ''ھٰذا امین ھٰذہ الامۃ'' یہ اس امت کے امین ہیں، تاریخ آج تک اس واقعہ کی شاہد ہے اور یہ نبی کرام صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت اور صدق کی دلیل مبین ہے۔

(روح المعانی ۱۸۹، خازن ۲۴۳/وغیرہ)

مباہلہ کے وقت حضور کا حضرات حسنین اور فاطمہ اور علی رضی اللہ عنہم کو ہمراہ لے جانا اس بات کی دلیل ہے کہ ان حضرات کی اللہ و رسول کے یہاں بڑی فضیلت اور قدر و منزلت ہے، ان حضرات کے فضائل کا کوئی کیا شمار کر سکتا ہے۔ سلسلہ مباہلہ میں دوسری روایت یہ ہے کہ نصاریٰ میدانِ مباہلہ میں آنے کے لیے تیار ہی نہ ہوئے اس لیے آپ اپنے اہل وعیال میں سے کسی کو لانے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی، پہلی روایت مشہور تر ہے اور اکثر مورخین نے اسی کا ذکر کیا ہے۔ (روح المعانی ۱۹۰)

(۵۱) ''ھٰذا'' کا اشارہ حضرت عیسیٰ و مریم اور ان کے واقعاتِ ولادت کی طرف ہے کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ ''القصص'' کے معنی ایسی خبریں جو واقعات کے بالکل مطابق ہوں اور نہایت بہتر ترتیب سے مذکور ہوں۔

(۵۲) اس میں نصاریٰ اور ہر مشرک اور دو یا دو سے زیادہ الٰہ ماننے والوں کا رد اور توحید خالص کا بیان ہے۔

(خازن ۲۴۳، روح المعانی ۱۹۱)

(۵۳) وہ ایسا غلبہ والا ہے کہ جو چاہے کر سکتا ہے اور جو

اس کے اوامر ونواہی کا انکار کرے اس کو سزا دے سکتا ہے، ایسی عزت والا کوئی دوسرا نہیں۔ ''الحکیم'' مصنوعات کو مکمل طریقہ سے بنانے والا اور تمام معلومات کا محیط ہے اور اس سے بھی مقصود رد نصاریٰ ومشرکین ہے کہ جب ایسا غالب اور محیط معلومات کوئی اور نہیں تو ''الٰہ'' میں دوسرا نہیں ہوسکتا۔ قرآن پاک کے اس پورے بیان کے اصل مخاطب نصاریٰ ہیں اور یہ ساری آیتیں عیسائیوں کے عقیدۂ تثلیث اور الوہیت مسیح کے رد اور ان کی اصلاح کے لیے آئی ہیں، عیسائیوں کے اس عقیدہ کے پیدا ہونے کے خاص اسباب یہ تھے:

(۱) حضرت مسیح کو معجزانہ ولادت۔

(۲) ان کے صریح معجزات خصوصاً احیائے موتی۔

(۳) ان کا آسمان پر اٹھایا جانا، جن کا ذکر ان کی کتابوں میں صراحۃً مذکور ہے۔

قرآن پاک نے پہلی بات کی تصدیق کی اور فرمایا کہ مسیح کا بغیر باپ کے پیدا ہونا اللہ کی قدرت کا کرشمہ ہے، اللہ جسے چاہے جس طرح پیدا کرتا ہے، یہ غیر معمولی پیدائش خدا ہونے کی دلیل نہیں۔

دوسری بات کی بھی قرآن نے تصدیق کی اور یہ فرمایا کہ واقعی ان کے یہ سب معجزات تھے، لیکن یہ سب باذن اللہ تھے، خدا ہونے کی حیثیت سے اور اپنے اختیار سے نہ تھے، لہٰذا یہ معجزات بھی دلیل الوہیت نہیں۔

اب تیسری بات بھی اگر عیسائیوں کی غلط تھی تو اللہ تعالیٰ ان کو صاف صاف بتا سکتا تھا کہ جن کو تم خدا یا خدا کا بیٹا کہتے ہو وہ تو مر چکے ہیں اور مزید اطمینان کے لیے جاؤ فلاں جگہ ان کی قبر ہے کھود کر دیکھ لو۔ لیکن اس صاف اور آسان طریقہ کی بجائے قرآن پاک نے ایک دوسرا طریقہ اختیار فرمایا اور حضرت عیسیٰ کے اٹھائے جانے کو تصریح کے "بل رفعه الله اليه" ساتھ ہی ساتھ عیسائیوں کو ایک اور ہی بات بتائی کہ عیسیٰ تو صلیب پر لٹکائے ہی نہیں گئے اور جو صلیب پر چڑھا اور آخری وقت ''ایلی ایلی لما شبقتانی'' کہا تھا وہ جس کی صلیب پر چڑھائے جانے کی تم تصریح کرتے ہو وہ مسیح نہ تھا، مسیح کو تو اس سے پہلے ہی خدا نے اٹھا لیا۔ اس واضح بیان کے بعد جو لوگ قرآن کریم سے ''وفات مسیح'' کا مفہوم نکالنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ دراصل اللہ تعالیٰ پر یہ اعتراض ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالی اپنے مطلب ظاہر کرنے کے طریقے نہیں جانتا (تعالیٰ اللہ عما یقول الظالمون) اس کے بعد قرآن پاک میں یہ بھی سمجھا دیا کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں دینی اعتبار سے کوئی فرق نہ تھا، دونوں اسی دین اسلام کی طرف دعوت دیتے ہیں اور حوارین بھی دین اسلام کے متبع تھے، وہ عیسائی مذہب پر نہ تھے، عیسائی غلط راستہ پر پڑ گئے ہیں اور اس غلطی سے خبردار کرنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں۔

(۵۴) یعنی تمہارا مذہب دین حقیقی اسلام کی فاسد اور خراب شکل ہے، جس میں غیر اللہ کی عبادت کی دعوت دی جارہی ہے۔ (خازن ۲۴۳)

غور سے معلوم ہوتا ہے کہ نصاریٰ نجران سے متعلق آخری آیت یہی ہے اور اس کے بعد کا حصہ دراصل اس سے بہت پہلے نازل ہو چکا تھا، اگرچہ ربط تام اور تعلق مزید کی وجہ سے اگلی آیتیں بھی اسی کے ساتھ نازل ہوئی معلوم ہوتی ہیں، لیکن حقیقت میں یہ آیتیں پہلے کی نازل شدہ ہیں اور غالباً فتح بدر اور

صلح حدیبیہ کے درمیان کسی وقت اتری ہیں، اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر وکسریٰ ونجاشی ومقوقس بادشاہ مصر وغیرہم کو جو مکاتیب شریفہ ارسال فرمائے تھے، ان میں یہ آیت کریمہ موجود ہے، ملاحظہ ہو بخاری۔

(۵۵) ربیع، قتادہ، ابن جریج کہتے ہیں کہ یہ آیت یہود کے بارے میں نازل ہوئی، جو حوالیٔ مدینہ تھے اور ان کے اتحاد واتفاق وتوحید کی دعوت دی گئی ہے۔ جعفر بن از بیر سدی اور ابن زبیر کہتے ہیں کہ وفد نجران اس کے مخاطب تھے۔ مفسر ابن جریر فرماتے ہیں کہ تحقیق یہ ہے کہ یہود ونصاریٰ دونوں اس کے مخاطب ہیں۔ (طبری ۱۹۴)

بہر صورت یہ ثابت ہوا کہ نزولِ آیت کریمہ قبل از وفد نجران تھا اور ہوسکتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وفد نجران کو بھی اس بات کی دعوت دی ہو اور اسی وجہ سے ابن زبیر وغیرہ کو یہ اشتباہ ہوگیا کہ یہ آیت وفد نجران کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

(۵۶) ہر حق اور انصاف کی بات کو کلمۂ سو کہا جاتا ہے۔ (خازن)

یہ بات تورات وانجیل دونوں کو متفقہ ہے، انجیل میں ہے تو خداوند کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر۔ (متی ۱۰:۴) تورات تو اس تعلیم سے لبریز ہے۔

(۵۷) یعنی تحریم وتحلیل وعبادت وتقرب میں احبار ورہبان پیروں اور علما کسی کو دخل نہیں، حضرت عدی بن حاتم نے عرض کی کہ ہم تو احبار ورہبان کی عبادت نہیں کرتے تھے، حضور نے فرمایا کہ وہ تمہارے لیے کوئی چیز حلال کرتے یا حرام کرتے تو ان کی بات تم مان لیا کرتے تھے، بولے: ہاں۔ حضور نے فرمایا کہ وہ یہی ہے، اس لیے کہ شریعت کے خلاف تحریم وتحلیل کا حق کسی کو ماننا یہی الوہیت وربوبیت کا ماننا ہے۔ (مدارک ۲۴۴ وغیرہ)

(۵۸) شانِ نزول:۔ احبار یہود ونصاریٰ حضور کے پاس اکٹھے ہوئے اور یہودیوں نے کہا کہ ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے اور نصاریٰ نے کہا کہ نصرانی تھے، اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتار کر دونوں کے زعم فاسد کا رد فرمادیا اور حقیقت ظاہر فرمادی کہ تورات وانجیل تو ان کے بعد نازل ہوئی وہ تورات وانجیل کے متبع کیسے ہوسکتے تھے، بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت یہود کے بارے میں نازل ہوئی جو حضرت ابراہیم کو یہودی بتاتے تھے۔ (طبری ۱۹۶)

(۵۹) یعنی تورات وانجیل کے بارے میں تو تم کو کچھ علم ہے بھی اور اس میں تم دونوں متفق نہ ہوسکے اور جھگڑتے رہے تو اب ایسی چیز کے بارے میں نزاع کرنا جس کا سرے سے تم کو علم نہیں کیسے زیبا ہے۔ (مدارک ۲۴۵، خازن)

(۶۰) یعنی اللہ تعالیٰ کو ابراہیم کے دین کے متعلق تمام باتیں معلوم ہیں اور تم کو ان کے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں۔

(۶۱) پہلے جس چیز کو دلیل کے اشارے سے ثابت کیا گیا اب اس کی صراحت کر کے تمام شکوک وشبہات کو دفع کیا جاتا ہے کہ ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے، لیکن وہ تمام دینوں سے مائل ہونے اور اور سیدھے راستہ پر چلنے والے مسلم تھے، دین اسلام ہی وہ دین ہے جس پر تمام انبیا تھے اور جس کی دعوت حضرت ابراہیم نے دی، یہودی عقائد واعمال اور نصرانی عقائد واعمال کا پیغمبروں کے اصل دین سے کوئی علاقہ نہ رہا، اس لیے کہ ان دینوں میں شرک خفی وجلی گھس گیا۔ (بیضاوی ۲۴)

(۶۲) اصل میں یہ مشرکین مکہ کا رَد ہے جو حضرت ابراہیم کی اتباع کے مدعی تھے، لیکن اس میں یہود و نصاریٰ کے شرک کی طرف اشارہ وتعریض بھی ہوسکتی ہے۔

(خازن ۲۴۵، بیضاوی ۲۴ روغیرہ)

(۶۳) یعنی جن لوگوں نے زمانہ ابراہیم میں ان کی اتباع کی اور ان پر ایمان لائے اور جو بعد میں ان کے طریقہ پر چلتے رہے۔ (خازن، مدارک ۲۴۵)

(۶۴) اس نبی سے مراد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں آپ نے فرمایا کہ ہر نبی کا ایک نبی ولی ہوتا ہے اور میرے ولی میرے والد بزرگوار اور میرے رب کے خلیق ابراہیم علیہ السلام ہیں، اس کے بعد آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔

(طبری ۱۹۸، خازن ۲۴۵)

آپ کا خاص نام آپ کی فضیلت کی وجہ سے ذکر کیا گیا۔

(مدارک ۲۴۵)

چوں کہ آپ کی شریعت کے تمام اصول اور اکثر فروع ابراہیم علیہ السلام کے مطابق تھے، اس لیے آپ ان سب سے قریب تر اور سب سے زیادہ حق دار ہوئے۔ (بیضاوی ۲۴)

(۶۵) اس سے مراد حضور کے امتی ہیں، یہ تخصیص تعمیم کے بعد اعلائے شان و اظہار فضیلت کے لیے ہے۔

(روح المعانی ۱۹۷ روغیرہ)

(۶۶) شانِ نزول:۔ مشہور ہے کہ یہ آیت معاذ بن جبل، حذیفہ ابن یمان، عمار بن یاسر کے حق میں نازل ہوئی، یہود ان کو اپنے مذہب میں داخل کرنے کی کوشش کرتے اور ان کو یہودیت کی دعوت دیتے۔ (خازن ۲۴۶، روح المعانی ۱۹۸)

سفیان فرماتے ہیں کہ جہاں بھی آل عمران میں اہل کتاب مذکور ہے اس سے مراد نصاریٰ ہیں لیکن یہ اکثری حکم ہے کلی نہیں۔ (روح المعانی ۱۹۸)

(۶۷) یعنی یہ ان کی ہوس خام اور تمنائے ناتمام ہے کہ مسلمانوں کو راہِ راست سے ہٹا دیں لیکن اس گمراہی کا اثر خود ان کی ذات پر پڑے گا یا ان کے جیسے گمراہوں پر پڑے گا۔

(خازن ۲۴۶ روغیرہ)

اللہ کی شان کہ نصرانی آج تک اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ یا تو مسلمانوں کو عیسائی بنالیں یا کم ازکم ان کو اپنے مذہب و دین سے برگشتہ ہی کر دیں۔

(۶۸) آیات سے مراد قرآن پاک کی آیتیں ہیں یا وہ آیتیں ہیں جو تورات و انجیل میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت میں صاف صاف موجود ہیں۔

(خازن ۲۴۶، روح المعانی ۱۹۹)

(۶۹) تم نے یہ انکار کسی ناواقفیت کی وجہ سے نہیں کیا ہے تم جان بوجھ کر ان آیتوں کی تحریف لفظی ومعنوی کر رہے ہو۔

(طبری ۱۹۹ روغیرہ)

(۷۰) یعنی تحریف و تبدیل کر کے حق و باطل کے درمیان امتیاز اٹھا دیتے ہو کہ معلوم ہی نہیں ہوسکتا کہ کتاب اللہ میں حق کہاں ہے اور باطل کہاں ہے۔ (طبری ۲۰۰، خازن ۲۴۷)

(۷۱) یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو کسی نہ کسی طرح چھپاتے تھے جہاں تحریف سے کام چلتا تحریف کر لیتے ورنہ وہ بات صاف صاف چھپا لیتے تھے، پہلی آیت تحریف کے متعلق اور دوسری چھپانے کے متعلق ہے اور یہ چھپانا دیدہ ودانستہ ہے، بھول چوک سے نہیں۔ (طبری ۲۰۱)

★★★

قسط نمبر (۲۳)

ضیائے حدیث

(از: حضور محدث کبیر مدظلہ العالی)

پیشکش: مولانا محمد احمد برکاتی

(۶) حدثنا ابوالیمان الحکم بن نافع قال اخبرنا شعیب عن الزھریقال اخبرنی عبیدہ اللہ بن عبد اللہ ابن عتبۃ بن مسعود ان عبد اللہ ابن عباس اخبرہ ان ابا سفیان بن حرب اخبرہ ان ہر قل ارسل الیہ فی رکب من قریش وکانوا تجارا بالشام فی المدۃ التی کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مادفیہا ابا سفیان وکفار قریش فاتوہ وھو بایلیاء فدعاھم فی مجلسہ وحولہ عظما ء الروم ثم دعاھم ودعا ترجما نہ فقال ایکم اقرب نسبا بھذا الرجل الذی یزعم انہ نبی قال ابو سفیان فقلت انا اقربھم نسبا فقال ادنوہ منی وقربوا اصحابہ فاجعلوھم حند ظھرہ ثم قال لترجما نہ قل لھم انی سائل ھذا عن ھذا الرجل فان کذبنی فکذبوہ فواللہ لولا الحیاء من ان یاثرواعلی لکذبت عنہ ثم کان اول ما سألنی عنہ ان قال کیف نسبہ فیکم قلت ھو فینا ذونسب قال فھل قال ھذا القول منکم احد قط قبلہ قلت لا قال فھل کان من ابائہ من ملک قلت لا قال فاشراف الناس اتبعوہ ام ضعفاؤھم قلت بل ضعفاؤھم قال ایزیدون ام ینقصون قلت بل یزیدون قال فھل یرتد احد منھم سخطۃ لدینہ بعد ان یدخل فیہ قلت لا قال فھل کنتم تتھمونہ بالکذب قبل ان یقول ماقال قلت لا قال فھل یغدرقلت لا ونحن منہ فی مدۃ لا ندری ماھوفاعل فیھا قال ولم تمکنی کلمۃ ادخل فیھا شیئا غیرھذہ الکلمۃ قال فھل قاتلتموہ قلت نعم قال فکیف کان قتالکم ایاہ قلت الحرب بیننا وبینہ سجال ینال منا وننا لمنہ قال ماذا یامرکم قلت یقول اعبدو اللہ وحدہ ولا تشرکوا بہ شیئا واترکوا مایقول اباؤکم ویامرنا بالصلوۃ والصدق والعفاف والصلۃ فقال للترجمان قل لہ سالتک عن نسبہ فذکرت انہ فیکم ذونسب وکذلک الرسل تبعث فی نسب

قومها وسالتک هل قال احد منکم هذا القول فذکرت ان لا قلت لوکان احد قال هذا القول قبله لقلت لوکان احد قال هذا القول قبله لقلت رجل یأتینی بقول قیل قبله و سالتک هل کان من ابائه من ملک فذکرت ان لا فقلت فلو کان من آبائه من ملک قلت رجل یطلب ملک ابیه وسالتک ہل کنتم تتهمونه بالکذب قبل ان یقول ماقال فذکرت ان لا فقد اعرف انه لم یکن لیذر الکذب علی الناس ویکذب علی الله وسألتک اشراف الناس اتبعوه ام ضعفاؤهم فذکرت ان ضعفائهم اتبعوه وهم اتباع الرسل وسالتک ایزیدون ام ینقصون فذکرت انهم یزیدون وکذلک امر الایمان حتی یتم وسالتک ایرتد احد سخطة لدینه بعدان یدخل فیه فذکرت ان لا وکذلک الایمان حین تخالط بشاشته القلوب وسالتک هل یغدر فذکرت ان لا وکذلک الرسل لا تغدر وسالتک بما یامرکم فذکرت انه یا مرکم ان تعبدوا الله ولا تشرکوا به شیئا وینهاکم عن عبادة الاوثان ویامرکم بالصلوٰة والصدق العفاف فان کان ماتقول حقا فسیملک موضع قدمی هاتین وقدکنت اعلم انه خارج ولم اکن اظن انه منکم فلو انی اعلم انی اخلص الیه لتجشمت لقاء ہ ولو کنت عنده لغسلت عن قدمیه ثم دعا بکتاب رسول الله صلی الله علیه وسلم الذی بعث به مع دحیة الکلبی الی عظیم بصری فدفعه عظیم بصری الی هرقل فقرأه فاذا فیه بسم الله الرحمن الرحیم من محمد عبد الله ورسوله الی ہرقل عظیم الروم سلام علی من اتبع الهدی اما بعد فانی ادعوک بدعایة الاسلام اسلم تسلم یؤتک الله اجرک مرتین فان تولیت فان علیک اثم الیریسیین ویا اہل الکتب تعالوا الی کلمة سواء بیننا وبینکم ان لا نعبد الا الله ولا نشرک به شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون الله فان تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون قال ابو سفیان فلما قال ما قال فرغ من قرآء ة الکتاب کثر عنده الصخب فارتفعت الاصوات واخرجنا فقلت لا صحابی حین اخرجنا لقد امر امر ابن ابی کبشة انه یخافه ملک بنی الاصفر فما زلت موقنا انه سیظهر حتی ادخل الله علی الاسلام و کان ابن الناطور صاحب ایلیاء وہرقل سقف علی نصاری الشام یحدث ان ہرقل حین قدم ایلیاء اصبح یوم خبیث النفس فقال بعض بطارقته قد استنکرنا هیئتک قال ابن الناطور وکان هرقل حزاء ینظرفی النجوم فقال لهم حین سألوه انی رآیت اللیلة حین نظرت فی النجوم ملک الختان قدظهر فمن یختتن من هذه الامة قالوا لیس یختتن الا الیهود فلا یهمنک شانهم واکتب الی مدآئن مللکک فلیقتلوا من فیهم من الیهود فبینا هم علی

امرہم اتی ہرقل برجل ارسل بہ ملک غسان یخبر عن خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلما استخبرہ ہر قلقال اذھبوا فانظروا امختتن ھوام لا فنظروا الیہ فحد ثوہ انہ مختتن ھوام لا فنظروا الیہ فحد ثوہ انہ مختتن والہ عن العرب فقال ھم یختتنون فقال ہر قل ھذا ملک ھذہ الامۃ قد ظھر ثم کتب ہر قل الی صاحب لہ برومیۃ وکان نظیرہ فی العلم وسار ہر قل الی حمص فلم یرم حمص حتی اتاہ کتاب من صاحبہ یوافق رای ہرقل علی خروج النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانہ نبی فاذن ہرقل لعظماء الروم فی دسکرۃ لہ بحمص ثم امربا بوابھا فغلقت ثم اطلع فقال یامعشر الروم ہل لکم فی الفلاح والرشد وان یثبت ملککم فتبایعوا ھذا النبی فحاصوا حیصۃ حمر الوحشالی الابواب فوجد وھا قد غلقت فلما رای ہرقل نفرتھم وایس من الایمان قال ردوھم علی وقال انی قلت مقالتی انفا اختبر بھا شدتکم علی دینکم فقدرایت فسجدوالہ ورضواعنہ فکان ذلک اخر شان ہرقل قال ابو عبد اللہ رواہ صالح بن کیسان ویونس ومعمر عن الزھری۔

ترجمہ:۔ عبید اللہ بن عبد اللہ روایت کرتے ہیں ابن عباس سے ابوسفیان بن حرب نے کہا کہ ہرقل نے ان کے پاس ایک آدمی بھیجا جب کہ وہ قریش کے اجتماع میں شریک تھے اور وہ لوگ تاجروں کی حیثیت میں شام گئے ہوئے تھے یہ بات اس دور کی ہے جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ابو سفیان اور دیگر کفار قریش سے ایک مخدود پیمانے پر معاہدہ کر رکھا تھا المختصر سب قریش ہرقل کے پاس آئے لوگ اس وقت ایلیاء میں تھے تو ہرقل نے ان کو دربار میں بلا بھیجا اور اس کے دائیں بائیں سرداران روم فروکش تھے پھر ان سب قریشوں کو اپنے قریب بلایا اور اور ترجمان کو طلب کیا قریش سے مخاطب ہوتے ہوئے تم میں سے اس شخص کا قریبی رشتہ دار کون ہے جو نبوت کا مدعی ہے ابوسفیان کہتے ہیں کہ میں نے کہا میں اس کا قریب ترین رشتہ دار ہوں ہرقل نے کہا ابوسفیان کو میرے قریب کردو اور اس کے دیگر ساتھیوں کو بھی اس کے قریب ہی رکھو اور انہیں ابوسفیان کی پیٹھ پیچھے کردو پھر اپنے ترجمان سے کہا انہیں بتاؤ کہ میں ان سے اس شخص کا حال دریافت کرنا چاہتا ہوں (جو مدعی نبوت ہے) اگر یہ غلط بیانی سے کام لے تو فوراً اسے جھٹلا دینا (ابوسفیان کہتے ہیں) کہ بخدا! اگر مجھے اس کا احساس نہ ہوتا کہ لوگ مجھے جھوٹا کہیں گے تو میں ضرور حالات کے بیان کرنے میں جھوٹ کا سہارا لیتا، غرض ہرقل نے مجھ سے سب سے پہلے یہ سوال کیا وہ تم لوگوں میں نسب کے لحاظ سے کیسا ہے؟ میں نے کہا وہ ہم میں اونچے نسب کا آدمی ہے، ہرقل نے پوچھا تم میں سے اس سے پہلے بھی کسی نے ایسا دعوی کیا؟ میں نے جواب دیا نہیں، ہرقل نے کہا اس کے آبا واجداد میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟ میرا جواب تھا نہیں، ہرقل نے دریافت کیا اس کے پیروکاروں میں بڑے لوگ شامل ہیں یا کمزور؟ میں نے کہا کمزور لوگ، ہرقل بولا اس کے پیروکاروں کی تعداد بڑھ رہی ہے یا کم ہو رہی ہے؟ میں نے کہا بڑھ رہی ہے، ہرقل نے پوچھا اس کے دین میں داخل ہونے کے بعد

کوئی اس سے منحرف بھی ہوا ہے یا نہیں؟ میں نے جواب دیا نہیں، ہرقل نے کہا کبھی اس نے وعدہ خلافی بھی کی؟ میں نے کہا نہیں، ہاں البتہ آج کل اس کے ساتھ ایک معاہدہ چل رہا ہے دیکھیں وہ کیا کرتے ہیں؟ ابوسفیان کہتے ہیں مجھے ان باتوں کے علاوہ چارہ نہ تھا کہ کچھ اور کہوں۔ ہرقل بولا کبھی اس سے جنگ بھی ہوئی ہے؟ میں نے کہاں ہاں، بولا کیسی رہی؟ میں نے کہا ہمارے درمیان جنگ ڈول کی طرح رہتی ہے کبھی وہ بھر لیتے ہیں اور کبھی ہم (یعنی کبھی وہ فتح پاتے ہیں اور کبھی ہم) ہرقل نے کہا وہ تمہیں کیا کہتے ہیں؟ میں نے کہا وہ ایک خدا کی بندگی کے لیے کہتے ہیں اور شرک سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں اور کہتے ہیں شرک آمیز باتیں جو تمہارے آبا واجداد کرتے تھے انہیں چھوڑ دو، وہ ہمیں نماز، راست بازی، پرہیز گاری اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔ بعدازاں ہرقل نے ترجمان سے کہا کہ ابو سفیان سے کہو میں نے تم سے اس کا نسب پوچھا تو تم نے اسے شریف النسب بتایا اور واقعی تمام انبیا اپنی قوم میں عالی نسب مبعوث ہوا کرتے ہیں، میں نے تم سے دریافت کیا کہ تمہاری قوم میں اس سے پہلے کسی نے دعویٰ نبوت کیا تو تم نے کہا نہیں، میں نے کہا اگر ایسا دعویٰ ان سے پہلے کوئی کر چکا ہوتا تو میں سمجھتا کہ یہ ایک ایسا شخص ہے جو اس بات کی محض نقل کرتا ہے جو اس سے پہلے کہی جا چکی ہے، میں نے تم سے پوچھا ان کے باپ دادا میں کوئی بادشاہ گزرا ہے تم نے کہا نہیں، چنانچہ میں نے (اپنے دل میں) طے کیا کہ اگر ان کے باپ دادا میں کوئی بادشاہ گزرا ہوتا تو میں کہہ دوں گا کہ یہ باپ دادا کی سلطنت حاصل کرنا چاہتا ہے، میں نے تم سے پوچھا کہ کیا اس دعویٰ سے پہلے کبھی اسے جھوٹ بولتے دیکھا گیا تو تم نے کہا نہیں، پس مجھے یقین ہو گیا کہ کوئی بھی ایسا شخص نہیں جو لوگوں پر جھوٹ تو نہ بولے لیکن خدا پر جھوٹ باندھے، میں نے تم سے پوچھا کہ اس کے پیروکاروں میں امیر لوگ شامل ہیں یا غریب تو تم نے بتایا کہ کمزور لوگوں نے اس کی اطاعت کی ہے (دراصل) جملہ پیغمبروں کی پیروی کرنے والے کمزور لوگ ہی ہوتے ہیں، میں نے تم سے سوال کیا کہ پیروکار بڑھ رہے ہیں یا کم ہو رہے ہیں؟ تو تم نے بتایا کہ روز بروز بڑھ رہے ہیں، حقیقتاً ایمان کے درجہ کمال تک پہنچنے کی یہی کیفیت ہوتی ہے، میں نے تم سے پوچھا کہ کوئی ان کے دین میں داخل ہونے کے بعد باہر بھی آتا ہے تو تم نے کہا نہیں، ایمان کی یہی صورت ہے جب کہ اس کی مسرت دل میں جذب ہو جاتی ہے، میں نے تم سے پوچھا کیا وہ وعدہ خلافی کرتے ہیں؟ تمہارا جواب تھا نہیں، واقعی پیغمبر وعدہ خلافی نہیں کرتے، میں نے تم سے پوچھا وہ کیا کہتے ہیں؟ تم نے کہا وہ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ اللہ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، وہ تمہیں بتوں کی عبادت سے منع کرتے ہیں۔ تمہیں نماز پڑھنے، راستبازی اختیار کرنے اور پرہیز گاری کی تعلیم دیتے ہیں، اگر تمہاری بیان کی ہوئی بات سچ ہے تو عنقریب اس جگہ کا وہ مالک ہو جائے گا جہاں یہ میرے پاؤں ہیں، مجھے سابقہ کتابوں سے معلوم ہوا کہ وہ ظاہر ہونے والے ہیں البتہ یہ علم نہ تھا کہ وہ تم میں سے ہیں اگر مجھے علم ہوتا کہ میں ان تک پہنچ سکوں گا تو میں ان سے ضرور ملتا اگر میں ان کے پاس ہوتا تو ان کے پاؤں دھو کر پیتا (یعنی خدمت بجالاتا) پھر ہرقل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ خط (جو آپ نے دحیہ کلبی کے ہاتھ امیر بصرہ کے پاس روانہ کیا تھا اور امیر بصرہ نے اسے ہرقل کے پاس بھیج دیا تھا) منگایا اس میں لکھا ہوا تھا:

''اللہ کے نام سے جو مہربان اور بہت رحم والا ہے، اللہ کے بندے اور پیغمبر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے، روم کے فرمانروا کی طرف۔ سلامتی ہے اس کے لیے جو ہدایت کی پیروی کرے بعد ازاں میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں، اسلام قبول کر لوگے تو امن میں رہوگے اور اللہ تمہیں تمہارا دگنا ثواب دے گا اگر تم (میری دعوت سے) منہ پھیروگے تو بلا شبہ تم پر پوری رعیت (کے ایمان نہ لانے) کا گناہ ہوگا اور اے اہل کتاب! تم ایک ایسی قدر کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے، یعنی ہم سب ایک خدا کے علاوہ کسی کی بندگی نہ کریں اور ان کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں اور خدا کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو اپنا خدا نہ قرار دیں (ارشاد خداوندی ہے) اگر اہل کتاب اس بات کو نہ مانیں تو تم ان سے کہہ دو کہ گواہ رہنا ہم ایک خدا کے فرمانبردار ہیں''۔

ابوسفیان بیان کرتے ہیں کہ ہرقل نے جو کہنا تھا کہہ چکا اور خط پڑھ کر فارغ ہوا تو اس کے ارد گرد ہلچل سی مچ گئی اور آوازیں بلند ہوتی گئیں پھر ہم لوگ وہاں سے اٹھا دیئے گئے، میں نے اپنے دوستوں سے کہا کہ جب ہم باہر نکال دیئے گئے تو ابو کبشہ کے بیٹے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کا مقام تو بہت بڑھ گیا کہ روم کا بادشاہ بھی اس سے ڈرتا ہے۔ پس اس وقت سے مجھے یقین ہو چلا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ضرور غالب آئیں گے یہاں تک کہ خدا نے مجھے بھی حلقۂ اسلام میں داخل کر دیا۔ ابن ناطور (جو ایلیا کا حاکم اور ہرقل کا درباری اور شام کے نصاریٰ کا پیر پادری تھا) اس کا بیان ہے کہ ہرقل جب ایلیا (بیت المقدس) میں آیا تو ایک دن صبح کو بہت افسردہ ہو کر بیدار ہوا اس کے بعض مصاحبین نے اس سے کہا کہ (چشم بد دور) ہم آپ کو رنجیدہ خاطر محسوس کر رہے ہیں، ابن ناطور کا کہنا ہے کہ ہرقل خود ہی کاہن اور ماہر نجوم تھا، اپنے مصاحبین کے استفسار پر بتایا کہ میں نے جب رات کو تاروں پر نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ ایک ختنہ کرنے والا بادشاہ غالب آ گیا ہے (یہ پتہ چلاؤ) کہ اس زمانے میں کون ختنہ کرواتا ہے؟ لوگوں نے کہا یہودیوں کا طریقہ ہے، لیکن یہود سے آپ کوئی خطرہ محسوس نہ کریں اور اپنے ملک کے تمام بڑے شہروں میں اطلاع کر دیجئے کہ تمام یہودی قتل کر دیئے جائیں، ابھی وہ لوگ اسی سوچ بچار میں تھے کہ ہرقل کی خدمت میں ایک شخص حاضر کیا گیا جسے دائی غسان نے بھیجا تھا، اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کچھ بیان کیا تو ہرقل بولا: جاؤ اور دیکھو کہ ان میں ختنہ کیے ہوئے ہیں؟ لوگوں نے اس کو دیکھا تو بیان کیا کہ وہ ختنہ کیے ہوئے ہیں، ہرقل نے اس سے عرب کے بارے میں دریافت کیا کہ وہ لوگ بھی ختنہ کرتے ہیں؟ اس نے بتایا کہ ہاں، تب ہرقل بولا کہ یہی رسول (اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) آج کے دور کا بادشاہ ہے جو ظاہر ہو گیا، ہرقل نے یہ تمام تفصیلات اپنے ایک دوست کو لکھ بھیجیں، وہ علم (نجوم) میں ہرقل کا ہم پلہ تھا ہرقل حمص کی طرف روانہ ہو گیا، وہ بھی حمص سے باہر نہیں نکلا تھا کہ اس کے دوست کا جواب آ گیا کہ وہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ظہور کے سلسلہ میں ہرقل کی رائے سے متفق ہے اور یہ کہ وہ نبی ہیں، بعد ازاں ہرقل نے سرداران روم کو جو حمص میں موجود تھے طلب کیا اور کہا محل کے دروازے بند کر دیئے جائیں، دروازے چڑھا دیئے گئے، ہرقل باہر آیا اور کہا رومیو! کیا ہدایت اور کامیابی میں کچھ تمہارا حصہ بھی ہے اور تم پسند کرتے ہو کہ تمہاری حکومت بھی باقی رہے اگر یہ سب تمہیں

منظور ہے تو اس نبی کی بیعت کرلو۔ یہ سننا تھا کہ سب حاضرین وحشی گدھوں کی طرح دروازوں کی طرف لپکے تو انہیں بند پایا ہرقل نے انہیں اس درجہ متنفر پایا کہ ان کے ایمان لانے سے مایوس ہوگیا، کہنے لگا انہیں پھر ہمارے پاس لاؤ، انہیں لایا گیا تو کہنے لگا میں نے ابھی جو کچھ تم سے کہا وہ محض تمہیں آزمانے کے لیے تھا کہ دیکھوں تم اپنے عقیدے میں کتنے پختہ ہو تو میں نے دیکھ لیا کہ تم بہت پکے ہو، تو سب نے اسے سجدہ کیا اور اس سے راضی ہوگئے، یہی آخری ہرقل کا حال ہے۔ امام بخاری نے فرمایا اس حدیث کو صالح ابن کیسان اور یونس اور معمر نے امام زہری سے روایت کیا۔

تشریح:۔ ہمیں حدیث سنائی ابو الیمان نے جن کا نام حکم بن نافع ہے انھوں نے کہا ہمیں حدیث سنائی شعیب ابن ابوحمزہ نے امام زہری سے روایت کر کے (امام زہری کثیر التلامذہ ہیں ان کے تلامذہ میں یونس بن یزید اور معمر بن راشد، عقیل بن خالد شعیب یہ لوگ آپ کی صحبت اور حدیثیں سننے کا بہت التزام رکھتے تھے) انھوں نے کہا مجھے خبر دی عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود نے وہ فرماتے ہیں کہ عبد اللہ بن عباس نے مجھے خبر دی اور عبد اللہ بن عباس کہتے ہیں مجھے ابوسفیان ابن حرب نے جو حضرت امیر معاویہ کے والد ہیں انھوں نے خبر دی۔ کہ ہرقل نے ان کی طرف قریش کی ایک جماعت کے ساتھ بلاوا بھیجا یعنی قافلہ تجارت لے کر میں ملک شام دمشق میں گیا تھا اسی وقت ہرقل نے بلاوا بھیجا کہ میری طرف اپنے قافلہ کے ساتھ آؤ اور اس مدت کی یہ بات ہے کہ جب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان اور کفار قریش سے صلح حدیبیہ کی تھی ''ماد یماد'' کے معنی (مدت طے کرنا) مراد یہاں پر صلح کی مدت ہے، صلح ہوئی تھی دس سال کے لیے کہ ہم آپس میں دس سال تک لڑائی نہ کریں گے اور ہم میں سے کسی کا بھی حلیف اگر دوسرے کے حلیف سے لڑ جائے تو نہ ہم اپنے حلیف کا ساتھ دیں گے اور نہ تمہارا حلیف اپنے حلیف کا ساتھ دے مگر ہوا یہ کہ ابھی دو ہی سال گزر پائے تھے کہ نہیں اتنے میں بنو بکر جو قریش کے حلیف تھے اور بنو خزاعہ جو کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف تھے ان دونوں میں لڑائی ہوگئی، خفیہ طور پر قریش مکہ نے اپنے حلیفوں کو مدد پہنچا دی اور بنو بکر کی طاقت بڑھ گئی بنو خزاعہ کے لوگ دوڑ کر حضور کی خدمت میں آئے اور عرض کی کہ بنو بکر نے ان سے مدد حاصل کر لی اور انھوں نے مدد کر دی تو آپ ہماری مدد فرمائیں حضور نے فرمایا کہ جاؤ مجھے جو کرنا ہو گا میں دیکھوں گا، اس کے بعد رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر تیار کیا اور مکہ پر چڑھائی کر دی کیوں کہ انھوں نے اپنے حلیف کا ساتھ دیکر عہد شکنی کی، کہتے ہیں کہ ہم لوگ اس مدت میں مطمئن ہو گئے تھے کہ اب لڑائی وغیرہ تو ہونی نہیں ہے اور ہمارا قافلہ خیر وخوبی سے جائے گا اور خیر وخوبی سے تجارت کر کے آئے گا کوئی روکنے والا بھی نہ ہوگا، روکنے والے حضور تھے کیونکہ انھیں مدینہ ہی سے ہو کر گزرنا تھا اور اسی زمانہ میں یہ قصہ ہوگیا کہ ادھر صلح حدیبیہ ہو رہی تھی اور ادھر روم اور ایرانی میں جنگ ہو رہی تھی، ایران اور روم میں پہلی جنگ جو ہجرت کے پہلے تھی اس میں بحرین رومیوں کے ہاتھ سے نکل گیا تو مکہ والے مذاق اڑاتے تھے کہ لو تم بھی آسمانی کتاب مانتے ہو اور وہ لوگ بھی کتاب مانتے ہیں تمہارے دوست لوگ تو شکست کھا گئے۔

تو قرآن مجید کی آیت نازل ہوئی:

"الٓمٓ غلبت الروم فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون فی بضع سنین"۔

کہ روم شکست کھا گیا ایک چھوٹی حکومت سے اور یہ مغلوب ہونے کے بعد چند سال میں پھر غالب آئیں گے۔ حضرت ابوبکر صدیق طعنہ سن رہے تھے تو انھوں نے کہا دیکھو روم ایران پر فتح پائے گا تو ان لوگوں نے کہا کب فتح پائے گا؟ حضرت ابوبکر صدیق نے کہا تین سال میں۔ بِضعٌ کا اطلاق کم سے کم تین اور زیادہ سے زیادہ نو پر، عاص بن وائل نے اس بات پر ابوبکر صدیق سے شرط طے کرلی کہ روم نے ایران پر فتح پالی تو میں دس اونٹ تم کو دوں گا اور اگر اس کا برعکس ہوا تو تم دس اونٹ دینا۔ حضور کے پاس آکر انھوں نے بیان کیا کہ ایسا ایسا میں نے شرط نامہ طے کرلیا تو سرکار نے فرمایا تم نے کیوں تین سال کہا، بِضعٌ کے معنی تین سال ہی تو نہیں ہیں، تم مدت کو جا کر بڑھاؤ اور شرط بھی بڑھا دو عرض کی کتنی مدت؟ فرمایا نو سال تو انھوں نے ایسا ہی کیا جیسے ہی عاص بن وائل کے پاس گئے وہ طعنہ دینے لگا کہ شرمندہ ہو کر آگئے فرمایا شرمندہ ہو کر نہیں آیا ہوں میں مدت بڑھاؤں گا اور شرط کا پیسہ بھی بڑھاؤں گا تو کہا کتنا رکھو گے آپ نے فرمایا نو سال رکھو اور سو اونٹ، اگر تیری بات صحیح ہوئی تو میں دوں گا اور میری بات صحیح ہوئی تو تو دینا۔

تو جس وقت صلح حدیبیہ ہوئی تھی وہی نو سال پورے ہوئے تھے اس وقت روم کو فتح ہوگئی اور بحرین وغیرہ کا حصہ روم نے اپنے قبضہ میں کرلیا اب جب فتح ہوگئی تو ہرقلِ روم شکرانہ کی نماز پڑھنے کے لیے بیت المقدس آیا کہ اللہ نے ہمیں فتح دے دی تو بیت المقدس جا کر شکرانہ کی نماز پڑھیں، اسی کا ذکر کر رہے ہیں۔

"**فأتوہ وھم بایلیاء**" یہ لوگ آئے اس کے یہاں یعنی ہرقل کے پاس، ہرقل اس کا نام تھا اور لقب تھا قیصر روم، جو بادشاہ ہوتا تھا اس کو قیصر کہتے تھے جیسے کسریٰ خسرو کا معرب ہوا تو خسرو ایران کے بادشاہ کو کہتے تھے، یہ لوگ ایلیا میں تھے (بیت المقدس تو کہتے ہیں اس مسجد اقصیٰ کو اور ایلیا اس شہر کا نام ہے) ایلیاء میں کفار روم موجود تھے جب اس کے یہاں گئے تو اس نے ان کو اپنے دربار میں بلوایا اس وقت عظمائے روم اس کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے پھر ان کو اپنے سامنے بلایا، پہلی مرتبہ جو بلانے کا ذکر کیا کہ ہرقل نے ان کے پاس آنے کا پیغام بھیجا تو وہ آئے اور ویٹنگ روم میں بیٹھائے گئے اور جب دربار میں بلایا گیا تو پھر دربار میں پیش کیا گیا اور اپنے ترجمان کو بلایا اور کہا تم لوگوں میں نسب کے اعتبار سے اس شخصیت سے کون زیادہ قریب ہے جو اپنے کو نبی کہتے ہیں تو ابو سفیان نے کہا میں ان سب لوگوں میں سب سے زیادہ قریبی والا ہوں تو اس نے کہا اس کو میرے اور قریب کرو اور ان کے دوستوں کو قریب ہی رکھو مگر دوستوں کو پیٹھ کے پاس رکھو یعنی کوئی سامنے نہ رہے بلکہ پیٹھ پیچھے رہے اب ان سے پوچھوں گا ان کے پیچھے والے ان کے جوابات کی تصدیق یا تکذیب کریں گے اور اپنے ترجمان سے کہا ان سب سے کہہ دو کہ میں اس شخصیت کے بارے میں پوچھوں گا اگر یہ جھوٹ بولیں تو تم تکذیب کر دینا، ابوسفیان کہتے ہیں خدا کی قسم اگر یہ شرم میرے اوپر نہ ہوتی کہ لوگ میری طرف جھوٹ منسوب کریں گے تو ضرور میں جھوٹ بولتا یعنی مجھے یہ ڈر نہیں تھا کہ کوئی میری تکذیب کرے گا لیکن یہ ضرور ڈر تھا کہ مکہ میں جائیں گے تو

کہیں گے دیکھو نہ یہ ہمارے سردار ہیں ایسے ایسے جھوٹ ہرقل کے دربار میں بولیں ہیں، یہی مجھ کو ڈر تھا کہ میرے طرف نقل کر کے جھوٹ منسوب کریں گے تو اگر یہ ڈر نہ ہوتا تو میں ضرور جھوٹ بولتا مگر میں جھوٹ نہ بول سکا۔

سب سے پہلا سوال اس نے کیا کہ ان کا نسب نامہ آپ سب کے درمیان میں کیسا ہے: میں نے کہا "**ھو فینا ذو نسب**" وہ تو ہم لوگوں میں اونچے نسب والے ہیں یعنی اچھا نسب ہے، اس نے دوسرا سوال کیا "**ھل قال احد منکم قط قبلہ**" کیا یہ قول ان سے پہلے تم لوگوں میں سے کسی نے کیا تھا یعنی نبی ہونے کا دعوی ان سے پہلے مکہ میں کسی نے کیا؟ تو میں نے کہا نہیں یہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے مکہ میں نبوت کا دعوی کیا ہے۔

(حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد کئی ہزار سال کا عرصہ گزر گیا اس درمیان کوئی بھی نبی نسل اسماعیل میں نہ ہوئے، جتنے بھی نبی ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں آئے وہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی نسل سے تھے اسحاق علیہ السلام کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام تھے اور ان کا ایک لقب اسرائیل تھا، حضرت ابراہیم علیہ اسلام کے بعد سارے انبیا بنو اسرائیل میں آئے اور اسماعیل علیہ السلام نبی تھے اس کے بعد سے ہزاروں سال گزر گئے کسی نے ان کی نسل میں نبوت کا دعویٰ کیا ہی نہیں)

اس نے تیسرا سوال کیا کہ ان کے باپ دادا میں کوئی بادشاہ گزرا ہے تو میں نے کہا کہ نہیں، چوتھا سوال کیا "**اشراف الناس اتبعوہ ام ضعفاء ھم**" قوم کے شریف لوگوں نے ان کی پیروی کی یا پسماندہ لوگوں نے یعنی امیر امراء وغیرہ نے پیروی کی یا غلام محتاج فقیر ایسے قسم کے لوگوں نے، اس سے مراد اکثریت، یہ نہیں مطلب ہے کہ مطلق۔ ورنہ شرفا میں ابوبکر و عمر بھی تھے عثمان و علی بھی تھے سعد و سعید بھی تھے یہ سب بڑے بڑے لوگ تھے اور ابوذر غفاری بھی اپنی قوم کے سرداروں میں تھے۔ میں نے کہا "**بل ضعفاء ھم**" بلکہ پسماندہ لوگ ہی زیادہ ہیں۔

اس نے پھر سوال کیا "**ا یزیدون ام ینقصون**" ان کی تعداد بڑھ رہی ہے یا گھٹ رہی ہے میں نے کہا کہ بڑھ رہی ہے۔ اس نے پھر سوال کیا کہ "**ھل یرتد احد سخطۃ لدینہ بعد ان یدخل فیہ**" کیا کوئی ان کے دین میں داخل ہونے کے بعد ان کے دین سے ناراض ہو کر چھوڑتا ہے؟ مطلب دین میں کوئی عیب نکال کر اور ناراضگی ظاہر کر کے ان کا دین کوئی چھوڑتا ہے۔ یہ سوال کرنے کی ضرورت کیوں پڑی جب یہ کہہ دیا کہ بڑھ رہے ہیں اس کی وجہ یہ کہ بڑھ تو رہے ہیں مگر ہوسکتا ہے دو چار آدمی نکلتے ہوں اور دس آدمی بڑھ جاتے ہوں اس میں بھی تو بڑھنا ہی پایا گیا تو اس وجہ سے یہ سوال کرنا پڑا۔ اس نے پھر سوال کیا "**ھل انتم تتھمونہ بالکذب قبل ان یقول ماقال**" اپنا دعوی کرنے سے پہلے کیا تم لوگ ان پر جھوٹ کی کچھ تہمت لگاتے تھے کہ جھوٹ بولتے ہیں تو میں نے کہا نہیں کیوں کہ یہ بات سب میں مشہور تھی "**الصادق الامین**" ایک مرتبہ بھی حضور نے کذب اور غدر کا کوئی خیال بھی دل میں نہ پیدا ہونے دیا اور نہ کبھی کوئی ایسی صورت پیش آئی۔ اس نے پوچھا "**ھل یغدر**" کیا وہ کوئی دھوکہ بھی دیتے ہیں کہ معاہدہ کر دیں اور معاہدہ کو توڑیں تو میں نے کہا نہیں وہ تو معاہدہ کر کے کسی سے توڑتے نہیں مگر ابھی ہم کو شبہ ہو رہا ہے، ہم لوگ ان سے ایک صلح کی مدت میں ہیں نہیں معلوم کہ وہ اس میں کیا کریں گے یہ صلح وہ باقی رکھیں گے یا توڑ دیں گے۔

کوئی بات انھوں نے تحقیقی نہیں کہی بلکہ اپنے شبہ کا اظہار کیا اب وہ شبہ بھی اس لیے کہ اصل میں کسی نے یعنی کسی سوال نے مجھے گنجائش نہیں دی کہ اس میں کوئی اپنی بات داخل کروں سوائے اس سوال کے اپنی بات ڈھکیلنے کا موقع نہیں ملا اس لیے میں نے یہ بات کہہ دی کہ ایک صلح ہوئی ہے پتہ نہیں کہ اس میں گڑبڑی کریں گے یا نہیں یہ ہم کو پتہ نہیں تو اس نے اس پر کوئی دھیان بھی نہیں دیا۔

اب اس نے پھر سوال کیا کیا تم نے ان سے کبھی قتال کیا تو کہا کہ ہاں قتال کیا اس نے کہا کیا نتیجہ رہا تو میں نے کہا "**الحرب بيننا وبينه سبحال**" جنگ ہمارے اور ان کے درمیان ڈول کھینچنے کی طرح ہے کبھی ایک ہاتھ میں کبھی دوسرے ہاتھ میں تو کبھی وہ ہم سے نقصان اٹھاتے ہیں کبھی ہم، اس نے اخیر میں پوچھا تمھیں کیا حکم دیتے ہیں اور کیا تعلیم دیتے ہیں تو میں نے کہا کہ کہتے ہیں صرف اللہ کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ مانو اور چھوڑ دو وہ تمام بت جو تمہارے باپ دادا مانتے تھے اور نماز پڑھنے کا حکم دیتے ہیں سچ بولنے کا اور پاکدامنی کا اور صلہ رحمی کا۔ اب اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کے علاوہ کوئی تعلیم نہیں دیتے ہیں بلکہ اہم اہم تعلیمات انھوں نے بتادی۔

ہرقل نے چند سوالات ابوسفیان سے کر لیے اور ان کے جوابات بھی ابوسفیان نے دے دیئے ایک خوامخواہ شبہ انھوں نے ظاہر کیا جن پر ہرقل نے کوئی توجہ نہ دی اور باقی کو صحیح صحیح جواب میں کہا تھا اس وجہ سے اب ترجمان سے کہا کہ اب تم میری یہ بات پہنچاؤ کہ میں نے تم سے ان کے نسب کے بارے میں پوچھا تو تم نے ذکر کیا کہ تم میں وہ اونچے نسب والے ہیں اور یہی شان ہے رسولوں کی کہ اپنی قوم کے نسب یعنی اچھے نسب میں بھیجے جاتے ہیں، میں نے تم سے پوچھا کہ کیا تم میں سے کسی نے یہ قول وہاں کہا تھا یعنی تمہاری قوم میں کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا تو تم نے کہا نہیں میں نے دل میں سوچا کہ اگر کسی نے اس قول کو ان کے پہلے کہا ہوتا تو میں سوچ سکتا تھا کہ آدمی اقتدا کر رہا ہے ایسے قول کی جو پہلے کہا جا چکا ہے، میں نے پوچھا کے ان کے آباء میں کوئی بادشاہ تھا تم نے ذکر کیا کہ نہیں تو میں نے کہا کہ اگر ان کے باپ دادا میں کوئی بادشاہ ہوتا تو میں کہہ سکتا تھا کہ یہ آدمی اپنے باپ کی بادشاہت کے تلاش میں ہے پھر میں نے پوچھا کہ کیا تم ان پر اس بات کے کہنے سے قبل کبھی جھوٹ کی تہمت لگاتے تھے کسی بات میں جھوٹا مانتے ہو، اس میں مانتے ہو اور پہلے نہیں مانتے تھے تو تم نے کہا کہ نہیں ہم ان کو پہلے کبھی جھوٹا نہیں مانتے تھے تو میں نے پہچان لیا کہ ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا کہ لوگوں کے بارے میں جھوٹ بولنا چھوڑ دے اور اللہ کے اوپر جھوٹ باندھنا شروع کر دے ایسی بات تو ہو نہیں سکتی۔ کیوں کہ آدمی کے زیادہ منافع تو لوگوں میں پھیلے ہوئے ہوتے ہیں تو اپنی منفعت کے لیے جھوٹ بول دیا کرے تاکہ کچھ نفع ملے یہاں پر یہ معاملہ ہے ہی نہیں، اللہ پر جھوٹ باندھ کر وہ کیا فائدہ اٹھائیں گے، پھر میں نے تم سے پوچھا کہ قوم کے شرفاء لوگ ان کی اتباع کرتے ہیں یا پسماندہ لوگ؟ تم نے کہا کہ ضعفا ہی ان کی پیروی کرتے ہیں تو رسولوں کے پیروی کرنے والے یہی ہوتے ہیں کہ شرفاء کے اندر گھمنڈ اور بڑائی کا جذبہ ہوتا ہے ان کا دل اچھی باتوں میں کم لگتا ہے اور جو پسماندہ لوگ ہوتے ہیں اچھی بات ان کے دل میں داخل ہو جاتی ہے تو اتباع رسول یہی ہوتے ہیں، پھر میں نے پوچھا کہ بڑھ رہے ہیں کہ گھٹ رہے

ہیں توتم نے کہا کہ بڑھ رہے ہیں، ایمان کا حال یہی ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ تمام ہو جائے یعنی اس کی تعلیم عام ہو جائے، پھر میں نے پوچھا کہ ان کے دین کو ناپسند کر کے جب کہ ان کے دین میں داخل ہو چکا تھا پھر ناپسند کر کے کوئی مرتد ہوتا ہے؟ توتم نے ذکر کیا کہ نہیں، یہی حال تو ایمان کا ہے کہ جب اس کی تاثیر قلب میں سرایت کر جاتی ہے تو پھر آدمی اس کو چھوڑتا نہیں پھر میں نے پوچھا کہ کیا یہ فریب کرتے ہیں توتم نے ذکر کیا کہ نہیں۔ اب سنو! رسولوں کی شان یہی ہوتی ہے کہ وہ عہد شکنی نہیں کرتے۔

اب اس نے یہاں یہ نہیں کہا کہ تمہارا شبہ جو ہے بے کار ہے یا صحیح ہے یہ کچھ نہیں کہا بلکہ اس کو کالعدم رکھا کہ اب تک جب انھوں نے غدر نہ کیا عہد شکنی نہ کی تو آئندہ کا شبہ ہوتا ہی نہیں لہٰذا اس کے ذکر کی بھی کچھ ضرورت نہیں۔

پھر میں نے پوچھا کہ حکم کیا دیتے ہیں تم نے بتایا کہ وہ حکم دیتے ہیں کہ اللہ کو معبود مانو اور اس کا کوئی شریک نہ ٹھہراؤ اور وہ تم کو بتوں کی عبادت سے روکتے ہیں اور حکم دیتے ہیں تم کو نماز کا، صدق اور پاکدامنی کا۔ اگر تمہاری کہی ہوئی بات سچی ہے تو عنقریب وہ میرے قدم کے نیچے کی جگہ کے بھی مالک ہو جائیں گے یعنی میری بادشاہت بھی ان کے پاؤں کے نیچے آ جائے گی مجھے معلوم تھا کہ وہ آنے والے ہیں مگر یہ نہیں جانتا تھا کہ تمہیں میں آئیں گے لیکن یہ خبر تھی کہ وہ آئیں گے، کیوں کہ وہ توریت کا، زبور کا عالم تھا جانتا تھا کہ وہ آنے والے ہیں، اگر مجھے یہ یقین ہوتا کہ میں خیریت سے ان تک پہنچ جاؤں گا تو ان کی ملاقات کا اہتمام کرتا اور جاتا اور اگر وہاں میں ہوتا تو ان کے قدموں کو دھوتا۔ ہرقل نے یہ باتیں کہیں اور اس کے بعد وہ مکتوب جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے بعد یہ سوچ کر کہ اب فرصت ملی کہ سب سے زیادہ شرارت مکہ والے کرتے تھے، اب ذرا طمانیت ملی تو آپ نے تمام ملک کے ایشیا کے بادشاہوں کو اور ایشیا کے قریب کے بادشاہوں کو دعوت اسلام کے مکتوب ارسال فرمائے، ایک مکتوب قیصر روم کے پاس بھی آیا جیسے کسریٰ جو اس زمانہ میں ہرمزان تھا اس کے پاس بھی گیا اور حضرمی کے پاس بحرین بھیجا، مقوقش کے پاس مصر بھیجا، اسی طرح اور بادشاہ جو قریب قریب تھے ان کے پاس بھیجا گیا تو اس نے وہ مکتوب گرامی جو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا وہ منگوایا یہ وہ خط تھا جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دحیہ کلبی کے ساتھ عظیم بُصریٰ کے پاس بھیجا کیونکہ ایشیا کی طرف سے خطوط کو روم تک پہنچانے کے لیے اسی کے پاس جمع کرنا ضروری ہوتا تھا ڈائریکٹ وہ خط قبول نہیں کرتا تھا جب تک عظیم بصریٰ دیکھ کر یہ طمانیت نہ کر لے کہ ہاں یہ بادشاہ تک جانا چاہیے کہ نہیں تو عظیم بصری کے پاس حضرت دحیہ کلبی لے کر گئے اور عظیم بصریٰ نے اس کو ہرقل کے پاس بیت المقدس بھیج دیا کیوں کہ اسے پتہ تھا کہ اپنے شکرانہ کے لیے بادشاہ بیت المقدس آیا ہوا ہے۔

اب اس نے خط منگایا، اس میں لکھا ہوا تھا:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم من محمد عبد اللہ ورسولہ الی ھرقل عظیم الروم"۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم، یہ خط ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو اللہ کے بزرگ ترین بندے اور اس کے مہتم بالشان رسول ہیں ان کی طرف سے یہ ہرقل کے نام جو روم کا عظیم ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ جو روم کا سلطان یا ملک الملوک ہے

کیوں کہ ان کو سرداروں کے درجہ میں مانا جاتا ہے ان کی ملوکیت کو تسلیم نہیں کیا جاتا اس لیے حضور نے ایسا لکھا۔ خط میں یہ لکھا ہوا تھا "سلام علی من اتبع الھدی" سلام ہو اس شخص پر جو ہدایت کی اتباع کرے، یہ نہیں کہا "سلام علیک" بلکہ "علی من اتبع الھدی" اگر تو ہدایت کی اتباع کرتا ہے تو تجھ پر بھی اور نہیں کرتا ہے تو کیوں تم پر ہو انھیں کے لیے ہے جو ہدایت پر ہیں۔

"اما بعد" لیکن ان باتوں کے بعد "انی ادعوک بدعایة الاسلام" میں تجھے دعوت دیتا ہوں اسلام کی دعوت کو۔ "دعایة" اصل میں "دعاوہ" سے بنا ہے۔ دعایہ میں تمہیں دعوت دیتا ہوں اسلام کی دعوت، اسلام لے آ، سلامت رہے گا دنیا میں بھی آخرت میں بھی اور اللہ تجھے دوہرا اجر دے گا کہ عیسی علیہ السلام پر بھی ایمان لانے کا اور میرے اوپر بھی ایمان لانے کا، اگر تو نے رخ موڑا تو تیرے اوپر دوہرا گناہ ہوگا اور تیرے اوپر رعایہ کے بھی گناہ ہوں گے کہ تو نے اگر قبول نہ کیا تو رعایہ بھی تیری اتباع میں قبول نہ کرے گی، تو ان کے لیے تو طریقہ سیئہ بنا اس لیے تیرے اوپر دوہرا گناہ ہوگا۔

یریس اور اریس، کاشت کاروں اور رعایہ کو بولتے ہیں جو اپنے بادشاہ یا سردار کے تابع ہوتے ہیں، پھر اس کے بعد آیت کریمہ سرکار کے مکتوب میں تھی اور یہ آیت کریمہ بطور اقتباس ہے نہ یہ کہ بطور نقل قرآن، اس لیے جو امام بخاری نے آگے چل کر ایک استدلال کتاب الطہارۃ میں کیا ہے کہ قرآن چھونے کے لیے طہارت شرط کیسے ہو حضور نے قرآن کی آیت لکھ کر ایک کافر کے پاس بھیج دی، تو یہ آیتیں نہیں بلکہ اقتباس ہیں، جیسے اپنے کلام میں آدمی جگہ جگہ قرآنی آیت بطور اقتباس لکھتا ہے تاکہ میرے کلام میں ادبیت زیادہ آجائے۔

"یآھل الکتاب تعالوا الی کلمة سواء بیننا وبینکم" اے اہل کتاب! آجاؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے یعنی دونوں اس پر متفق ہیں کہ تم اس کلمہ کو مانتے ہو مگر اس پر عمل نہیں کرتے جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم نہیں معبود مانیں کسی کو اللہ کے سوا اور نہ اس کو کسی کا شریک ٹھہرائیں کہ تم لوگ اب عیسیٰ اور مریم کو بھی خدا ماننے لگے حالانکہ تمہاری کتابوں میں بھی یہ بات مذکور ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ "ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ" اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا رب نہ مانے کہ تم لوگ اپنے پادریوں کو اپنا رب اس طرح مانتے ہو کہ توریت وانجیل کے جس حرام کو تمہارا پادری چاہے حلال کرے اور جس حلال کو چاہے حرام کردے، یہ حق تو اسلام نے کسی کو نہیں دیا اس لیے تم میں کوئی اللہ کے سوا کسی کو رب نہ مانے۔

اب یہ بے ہودہ غیر مقلدین ہمارے دین کے اوپر اعتراض کرتے ہیں کہ حنفی لوگ اپنے امام کو اپنا رب مانتے ہیں جو حلال کریں گے وہ حلال ہے اور جو حرام کریں گے وہ حرام مانیں گے۔ اب بتاؤ کہ کسی حنفی نے مثلاً سور کو حلال کردیا یا کتے کو حلال کردیا یا کسی حلال کو حرام کردیا ایسا تو نہیں ہے۔ ہاں مسکوت عنہ جو چیز ہے جن کے بارے میں کتاب وسنت میں صریح حکم نہیں ہے اس کا انھوں نے قیاس سے استنباط کر کے حکم بتایا ہے، نہ یہ کہ اللہ کے حکم میں کوئی تبدیلی کی ہو اور نصاریٰ کے پادری لوگ یہ کرتے تھے کہ اللہ کے احکام میں

تبدیلیاں کرتے تھے، یہ تو رافضیوں کا طریقہ ہے کہ رب مانتے ہیں۔ ہاں یہ مانا کہ وہ کتاب وسنت کی شرح کردیتے ہیں کہ اس سے جو مستفاد ہوا وہ بتاتے ہیں اور اس میں اگر خطا ہوتی ہے تو اس سے رجوع کر لیتے ہیں۔

"فان تولوا" اگر وہ اعراض کریں اور نہ مانیں تو کہہ دو کہ تم لوگ گواہ ہو جاؤ کہ ہم مسلم ہیں، اللہ کے حکم کے فرمانبردار ہیں، اب ابوسفیان کہتے ہیں جب وہ کہہ چکا جو کہنا تھا اور رسول پاک کی کتاب پڑھ کر فارغ ہوا تو خاموش ہوا، اس کے دربار میں شور وغل ہونے لگا کہ بادشاہ نے ایسی بات کہہ دی کہ میں ان کے پاؤں دھوتا، یہ شور وغل ہونے لگا اور آوازیں اونچی ہوگئیں جتنے ارکان سلطنت تھے وہ سب وہیں پر گڑ بڑی کرنے لگے "فاخرجنا" ہم لوگوں کو نکال کر باہر کیا گیا تو میں نے اپنے ساتھیوں سے نکلنے کے بعد کہا "لقد امِرَ امر ابی کبشة" ابوکبشہ کے بیٹے کا معاملہ تو بڑا اہم ہوگیا "انه یخافه میلک بنی الاصفر" ان سے تو بنی اصفر کا بادشاہ بھی ڈر رہا ہے۔ بنی اصفر اسی لیے کہتے تھے کہ یورپ والے لوگ زیادہ تر پیلے پیلے رنگ کے ہوتے ہیں "فما زلت موقنا" مجھے اب یقین ہونے لگا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم غالب آکر رہیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرے اوپر اسلام داخل فرمادیا، فتح مکہ کے دن میں مسلمان ہوگیا۔

اس حدیث کو امام بخاری نے تخریج کیا یہ بتانے کے لیے کہ بدْءِ وحی میں نبی کی یہ شان ہوتی ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتے، وہ غدر نہیں کرتے اور ان کے ماننے والے زیادہ تر پسماندہ ہوتے ہیں اور جو اونچے طبقہ کے ہوتے ہیں وہ کم تعداد میں ہوتے ہیں۔

"وکان ابن الناطور" یہاں سے امام زہری نے اپنا قصہ بیان کرنا شروع کیا کہ میں نے ابن ناطور سے سنا۔ یہ اسی پر عطف ہے "قال اخبرنی عبید اللہ" پر کہ امام زہری روایت کررہے ہیں اسی سند سے "ابو الیمان اخبرنا شعیب عن الزهری" کہ ابن ناطور، یہ یا تو نام تھا یا اس کا لقب تھا جس کا معنی جنگلات کا وزیر، اس کا بیٹا، ایلیا یعنی بیت المقدس شہر کا گورنر تھا اور ہرقل کا دوست بھی تھا صاحب کا لفظ یہاں پر صنعت استقدام کے طور پر دونوں معنی میں لیا گیا کہ ایلیاء کا صاحب یعنی گورنر اور ہرقل کا دوست "سقف علی نصاری الشام" شام کے نصاری کا بڑا پادری تھا اس نے امام زہری کو واقعہ سنایا کہ ہرقل جب ایلیا میں آیا تو ایک روز صبح کے وقت خبیث النفس ہوگیا یعنی اس کی طبیعت بہت پریشان کن حالت میں تھی۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آدمی کے اوپر جب ناخوشگوار حالات ہوتے ہیں تو اس کو خبیث النفس بولتے ہیں کہ "خبیث النفس ہوگیا"، مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے بارے میں فرمایا "لایقولن احدکم خبثت نفسی" تم یہ نہ کہو کہ میری طبیعت الجھی ہوئی ہے اس کے لیے "خَبُثَتْ" کا لفظ نہ کہو "ولکن لیقل لقست نفسی" (صحیح البخاری کتاب الادب، باب لایقل خبثت نفسی) تم اپنے کو لقس کہو خبیث مت کہو، خبیث کفار کے لیے ہوتا ہے، اس لیے امام زہری نے ہرقل کے لیے خبیث کا لفظ استعمال کیا معنی میں لقیس کے ہے، پراگندہ حال "فقال بعض بطارقته" اس کے بعض ہم نشینوں نے پوچھا ہاں ہم نے آپ کی حالت بڑی ناپسندیدہ پائی۔

"قال ابن الناطور" ابن ناطور کہتے ہیں کہ ہرقل بڑا زبردست حزّاء تھا اور نجومی بھی تھا تاروں میں دیکھتا تھا تو آنے والے حالات کا جائزہ لے لیتا تھا، اس لیے جب اس کے بعض بطارقہ نے پوچھا کہ آپ پراگندہ حال کیوں نظر آرہے ہیں تو ان سے کہا آج رات جب میں تاروں پر نظر رکھے ہوئے تھا تو میں نے دیکھا "ملک الختان قد ظھر" ختنہ کرانے والوں کا بادشاہ غالب آگیا تو اس نے پوچھا کہ اس وقت کے لوگوں میں کون کون ختنہ کرواتے ہیں تو لوگوں نے کہا کہ اس زمانہ میں تو یہودیوں کے علاوہ کوئی ختنہ نہیں کراتا "فلا یھمنک شانھم" آپ کو ان کے حالات پریشان نہ کریں کیوں کہ وہ تعداد میں بہت تھوڑے ہیں اور ان کا علاج بھی آسان ہے، اپنے ملک کے شہر والوں کو لکھ دیجئے، یعنی اپنے ملک کے تمام شہر میں یہ پیغام بھیج دیجئے کہ وہاں کے نواب لوگ وہاں کے یہودیوں کو قتل کردیں تو ختنہ کرانے والوں سے کوئی ڈر نہیں رہے گا۔ ابھی یہی بات ہو رہی تھی کہ ہرقل کے پاس ایک آدمی لایا گیا جس کو غسان کے بادشاہ نے بھیجا تھا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں خبر دے رہا تھا۔

ہوا یہ کہ غسان کے بادشاہ نے کسی مکہ والے کو پکڑ کے بھیجا جس نے یہ بتایا کہ ایک نبی ہماری طرف پیدا ہو گئے ہیں تو ملک غسان نے اس آدمی کو ہرقل کے پاس بھیج دیا جب اس سے ہرقل نے خبر لی تو اس کے بعد کہا کہ اس کو کنارے لے جاؤ اور جا کر دیکھو کہ اس کو ختنہ ہوا ہے کہ نہیں تو دیکھا اور آکر بتایا کہ یہ مختون ہے، تب اس نے اس آدمی سے عرب کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ لوگ بھی ختنہ کراتے ہیں، ہرقل نے کہا "ھذا ملک ھذہ الامۃ قد ظھر" بس بس یہی نبی ہیں، یہی غالب آگئے اس امت کے بادشاہوں پر۔ پھر ہرقل نے اپنے ایک دوست کو لکھا رومیہ (یہ ایک شہر کا نام ہے) "ضغاطر رومی" اس کا نام تھا اور یہ بھی علم کے معاملہ میں اس کے جیسا تھا اس کو لکھ کر بھیجا کہ میں نے ایسا ایسا دیکھا ہے اور ہرقل وہاں سے سفر کر کے حمص کی طرف گیا، ابھی وہ حمص نہیں پہنچا تھا کہ اس کے پاس اس کے دوست کا خط آگیا جو ہرقل کی رائے کے مطابق تھا کہ حضور صلی اللہ علی وسلم تشریف لائے ہیں اور وہ سچے نبی ہیں، ضغاطر رومی تو اسلام لے آیا مگر ہرقل کا کیا ہوا وہ آگے آرہا ہے۔

ابن ناطور سے امام زہری نے جو روایت کی اس میں یہ ہے کہ ہرقل نے ایک خط لکھا ضغاطر رومی کو اور اس کے حمص پہنچتے پہنچتے اس تک جواب آگیا کہ بے شک وہ نبی برحق ہیں اور ان کا غلبہ میں نے بھی ستاروں میں دیکھ لیا ہے تو ضغاطر رومی کے کہنے پر اس کو اور زیادہ اطمنان ہو گیا اس نے یہ چاہا کہ میں روم والوں کو اسلام کی دعوت دے دوں اور سب اسلام پر قائم ہو جائیں مگر جب اس نے کہا تو سب بدک گئے اور یہ ان کے اسلام سے مایوس ہو گیا تو بلا کر ان کو کہا کہ میں تو صرف تمہیں آزمانے کے لیے کہہ رہا تھا کہ تم اپنے پرانے دین پر مضبوط ہو کہ نہیں؟ میں نے دیکھ لیا کہ تم قائم ہو تو مجھے اس پر بڑی خوشی ہوئی، سب اس کا سجدہ کر کے اس سے خوش ہو گئے۔ امام زہری کہتے ہیں کہ ابن ناطور نے کہا کہ ہرقل کا آخری حال یہی رہا کہ اسلام اس نے قبول نہیں کیا اور کفر پر مرا مگر ضغاطر رومی نے اسلام کو قبول کر لیا تھا اور بعد میں اسی کے قوم کے لوگوں نے اسے شہید کر دیا۔

★★★

ضیائے فقہ وفتاویٰ

مسئلہ:۔ کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں۔

(۱) انگوٹھا چومنے کا ثبوت قرآن وحدیث کی روشنی میں؟

(۲) اذانِ ثانی کہاں سے دینی چاہیے، قرآن وحدیث کی روشنی میں؟

(۳) حی علی الصلوٰۃ وحی علی الفلاح پر کب کھڑا ہونا چاہیے، قرآن وحدیث کی روشنی میں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب:۔ (۱) رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام اقدس کو سننے اور اپنی زبان سے لینے پر انگوٹھے آنکھوں سے لگا کر چومنا، نہ صرف جائز بلکہ مستحسن عمل ہے۔ چنانچہ صلاۃِ مسعودی بانگ نماز کے باب میں ہے:

روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال من سمع اسمی فی الاذان ووضع ابھامیہ علی عینیہ فانا طالبہ فی صفوف القیامۃ وقائدہ الی الجنۃ۔ (صلاۃ مسعودی، ج:۲ر باب بستم وکیم دربیان بانگ نماز، ص:۳۵۰)

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جو شخص اذان میں میرا نام سنے اور اپنے انگوٹھوں کو اپنی آنکھوں پر رکھے، میں اس کو قیامت کی صفوں میں تلاش کروں گا اور اسے جنت تک لے جاؤں گا۔

اور فتاویٰ رضویہ میں فتاویٰ جمال بن عبداللہ بن عمر مکی کے حوالے سے ہے:

تقبیل الابھامین وضعھما علی العینین عند ذکر اسمہ علیہ السلام فی الاذان جائز بل مستحب صرح بھا مشائخنا۔ (جدید ۵/۴۳۶، مطبوعہ لاہور)

معلوم ہوا کہ انگوٹھا چومنے کا ثبوت خود احادیث کے الفاظ سے ہے۔ اس کا انکار وہی کرتا ہے جو نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عداوت رکھتا ہے۔ اللہ عزوجل ایمان والوں کو باغیانِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور شیطان کے مکروفریب سے بچائے۔

(۲) جمعہ کی اذان ثانی ہو یا پنجگانہ نمازوں کی اذان، ہر ایک مسجد کے بیرونی حصے میں دی جانی چاہیے۔ سنن ابو داؤد شریف کی حدیث ہے:

عن السائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد وابی بکر و عمر (رضی اللہ تعالیٰ

عنہما)۔ (السنن لابی داؤد، ج:۱/ص:۱۵۵)

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب بروزِ جمعہ منبر پر جلوہ افروز ہوتے تو حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روبرو اذان مسجد کے دروازے پر دی جاتی تھی اور یوں ہی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں بھی مسجد کے دروازے پر اذان دی جاتی تھی۔

حضرت علامہ سلیمان جمل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ''اذا نودی للصلوٰۃ'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اذا جلس علی المنبر اذن علی باب المسجد۔ (تفسیر جمل شریف، ج۴/۲۳۴)

یعنی جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمعہ کے روز منبر پر تشریف فرما ہوتے تو مسجد کے دروازے پر اذان کہی جاتی تھی۔

معلوم ہوا کہ اذان مسجد کے حدود سے باہر دینا سنت اور مشروع ہے، مسجد کے اندر اذان دینا محض بدعت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) جب امام و مقتدی دونوں مسجد میں موجود ہوں تو جب مکبر ''حی علی الصلاۃ'' کہے تب لوگ نماز کے لیے اٹھیں اور اور ''حی علی الفلاح'' پر پورے طور پر کھڑے ہو جائیں۔ حدیث و جزئیاتِ فقہ سے یہ ظاہر و ثابت ہے۔

چنانچہ مصنف ابن عبد الرزاق میں ہے:

عن علقمة عن امه عن ام حبيبة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان فى بيتها فسمع المؤذن فقال كما يقول فلما قال حى على الصلاة نهض رسول الله صلى الله عليه وسلم الى الصلاة۔

(مصنف ابن عبد الرزاق، ج:۱، ص:۴۸۱، رقم الحديث:۱۸۵۱)

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حجرۂ مبارکہ میں تشریف فرما تھے اور مؤذن کے کلماتِ اذان کا جواب اسی طرح دیا جیسا کہ وہ کہتا تھا اور جب مؤذن نے ''حی علی الصلاۃ'' کہا تو آپ کھڑے ہو گئے۔

اور البحر الزخار المعروف بمسند البزار اور سنن بیہقی میں ہے:

عن عبد الله بن ابى اوفى قال كان بلال اذا قال قد قامت الصلاة نهض رسول الله صلى الله عليه وسلم بالتكبير۔ (ج:۸/۲۹۸، حدیث: ۳۳۷۱۔ السنن الکبری للبیہقی، ج:۲/۳۵، حدیث:۲۲۹۷)

معلوم ہوا کہ تکبیر کے وقت شروع ہی میں کھڑا ہو جانا، سنت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف ہے اور حی علی الصلاۃ پر نماز کے لیے اٹھنا جائز و سنت اور مطلوبِ عمل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبــــــــــــہ

محمد ابوالحسن قادری غفرلہ

خادم الافتاء طیبۃ العلماء جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی مئو

۲۷/رجب المرجب ۱۴۴۳ھ/ ۲۸/فروری ۲۰۲۲ء

☆☆☆

مسئلہ:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیانِ عظام مسئلہ ذیل میں کہ:

زید اپنے دو بچوں اور بیوی اور بچیوں کے ساتھ رہتے ہیں، رہائش کے لیے ایک قدیم اور ایک جدید مکان تھا، عرصے تک تمام کاروبار اور کمائی مشترک رہی اور زید باپ ہونے کی حیثیت سے مالک رہا اور تمام خرچ وغیرہ اور بچوں اور بچیوں کی شادی کا انتظام کرتا رہا، کچھ دنوں بعد زید کا ایک لڑکا باپ سے الگ رہنے کے لیے تیار ہوا اور الگ ہو بھی گیا۔

اب سوال یہ ہے کہ مشترکہ کمائی کے وقت زید کے لڑکے نے جو پروپرٹی بنایا، کیا زید کا اس میں حق اور حصہ ہے کہ نہیں؟

اسی طرح زید نے مشترکہ رہائش کی صورت میں دوسروں سے قرض لے کر گھر پر جو خرچ کیا، اس کی ادائیگی کس پر واجب ہے؟

زید کے لڑکے نے مشترکہ رہنے کی صورت میں جو پروپرٹی بنائی، اس کے علاوہ وہ والدین سے مشترکہ سامان کا اگر مطالبہ کرے تو کیا یہ درست ہے؟ اور والدین دیگر بچوں کی طرح اس کو بھی اس میں سے حصہ دیں یا نہیں؟ والدین کے ساتھ جو بچے رہتے ہیں یا کماتے ہیں اور ان کی سرپرستی والدین کرتے ہیں، اس کا مالکانہ حق کس کا ہے؟

المستفتی: خورشید عالم، کریم الدین پور، گھوسی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب:۔ جب کوئی شخص کاروبار کرے، اس کے بچے، بیوی کاروبار میں اس کا ہاتھ بٹائیں، کاروبار سب میں مشترکہ ہو، ان میں کسی ایک کا مال نہ ہو اور بیوی، بچے اس کی کفالت و پرورش میں ہوں تو سب کا مالک صرف شخص مذکور ہوگا۔ بیوی بچے صرف معین و مددگار ٹھہریں گی، کاروبار کی آمدنی کے مالک نہ ہوں گے۔ درمختار ورد المحتار میں ہے:

الاب وابنه يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شيء كان الكسب كله للأب ان كان الابن في عياله لكونه معينا له الا ترى انه لو غرس شجرة تكون للأب وكذا الحكم للزوجين اذا لم يكن لهما شيء ثم اجتمع بعملها اموال كثيرة فهي للزوج وتكون المرأة معينة له الا اذا كان لها كسب على حدة فهو لها۔ (فصل في الشركة الفاسدة:۶/۳۹۲)

اور فتاویٰ خیریہ میں ہے:

حيث كان من جملة عياله والمعين له في اموره واحواله فجمع ما حصله بكده وسعيه فهو ملك خاص لابيه لا شيء له فيه حيث لم يكن له مال ولو اجتمع له بالكسب جملة اموال فانه في ذلك لابيه معين۔ (از فتاویٰ بحر العلوم، ج:۶/۹۸)

اور عقود الدریہ میں ہے:

سئل في ابن كبير ذي زوجة وعيال له كسب مستقل حصل به اموال هل هي لوالده اجاب لابن حيث له كسب مستقل واما قول علمائنا لكون كله للأب فمشروط كما يعلم من عباراتهم بشروط منها اتحاد الصنعة وعدم مال سابق لهما وكون الابن في عياله فاذا عدم واحد منها لا يكون كسب الابن للأب۔ (از فتاویٰ بحر العلوم:۶/۹۸)

ان عبارتوں کا حاصل یہی ہے کہ لڑکے اپنے باپ کی کفالت میں ہوں اور باپ کے کاروبار میں شریک ہوں، یوں ہی بیوی شوہر کے کاروبار میں شامل ہو کر اس کا ہاتھ بٹائے اور آمدنی میں اضافہ ہو تو سب کا مالک باپ یا شوہر ہی ہوگا۔ ہاں اگر کسی لڑکے یا بیوی کا اپنا کوئی مستقل ذریعۂ معاش ہو تو وہ اپنی کمائی کا خود مالک ہوگا۔

اس تفصیل کی روشنی میں صورتِ مسئولہ کا جواب یہ ہے کہ زید نے اپنے بچوں، بچیوں اور بیوی کو اپنی پرورش میں رکھ کر مشترکہ کاروبار سے جو بھی مال کسب کیا، سرمایہ اکٹھا کیا، جائداد بنائی، مکان تعمیر کیا، سب کا مالک تنہا زید ہوا، اس کی زندگی میں اس کے کسی بیٹے، بیٹی اور بیوی کا کچھ بھی حق و حصہ نہیں ہوا۔ اور اسی مشترکہ صنعت و کاروبار سے اگر زید کے کسی لڑکے نے کوئی

پراپرٹی بنائی تو اس کا مالک بھی زید ہی ٹھہرے گا۔ اور اگر اپنی ذاتی اور اپنی خاص کمائی سے الگ پراپرٹی بنائی ہے تو اس کا وہ خود مالک ہوگا، زید مالک نہ ہوگا۔ اور مشترکہ رہائش و کاروبار کے دوران زید نے جو قرض لیا اور گھر وغیرہ کی ضروریات میں خرچ کیا، اس کا زید ہی ذمہ دار ہوگا۔ لہٰذا اس کی ادائیگی اسی پر لازم ہوگی۔ زید کی حیات میں اس کی اولاد کا کوئی حق و حصہ نہیں کہ کاروبار کا مالک تنہا زید ہے، اس سے کوئی مشترکہ سامان یا گھر میں حصہ طلب نہیں کیا جا سکتا، اگر کوئی اس سے پراپرٹی وغیرہ میں کچھ مطالبہ کرتا ہے تو اس کا مطالبہ غلط و باطل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبـــــــــــــــــــــــــہ

محمد ابوالحسن قادری غفرلہ

خادم الافتا: طیبۃ العلما جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی مئو

۱۶؍جون ۲۰۲۲ء؍ ۱۵؍ذی قعدہ ۱۴۴۳ھ

☆☆☆

مسئلہ:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں:

کہ زید ایک مسجد کا امام ہے، جنھوں نے عمامہ شریف باندھا تو اس میں طرہ نکالا ہوا تھا، تو بکر زید کے عمامہ کے طرہ کو دیکھ کر کہتا ہے کہ اس طرح کا طرہ نکالنا کفاروں کا شیوہ ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

(۱) عمامہ شریف کا طرہ نکالنا کیسا ہے؟ کتاب و سنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔؟

(۲) بکر کا اس طرح کہنا کس حد تک درست ہے؟ اور ان کے قول پر شرع کا کیا حکم ہے؟

(۳) کیا عمامہ شریف میں طرہ نکالنا واقعی کفار کا شیوہ ہے؟ بالتفصیل جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: قاری ثناء المصطفیٰ قادری

خطیب و امام زینت المساجد راوڑکیلا، اڑیسہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب:۔ عمامہ شریف کے اوپر والے شملہ کو طرہ کہا جاتا ہے، اس کا رکھنا جائز بلکہ سنت ہے۔ جب کہ اس کی مقدار ایک بالشت سے کم نہ ہو۔ اگر اس کی مقدار ایک بالشت سے کم چند انگل ہو تو یہ صورت بھی جائز ہے کہ اصل الاشیاء اباحۃ۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان رقم طراز ہیں:

''عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اپنے دست انور سے عمامہ باندھنا اور آگے پیچھے دو شملہ چھوڑنا سنن ابی داؤد میں ہے تو یہ سنت ہوا نہ کہ معاذ اللہ بدعت سیئہ، فقیر اسی سنت کے اتباع سے بارہا دو شملہ رکھتا ہے، مگر شملہ ایک بالشت سے کم نہ ہونا چاہیے''۔ (۲۲/۱۹۹)

اور فرماتے ہیں:

''بعض لوگ طرہ کے طور پر چند انگل اونچا سر پر چھوڑ دیتے ہیں، اس کا ثبوت میری نظر میں نہیں، نہ کہیں ممانعت تو اباحت اصلیہ پر ہے''۔ (۲۲/۱۹۹)

مذکورہ صراحت سے واضح ہے کہ طرہ رکھنا خواہ اس کی مقدار ایک بالشت ہو یا اس سے کم، بہرصورت جائز ہے۔ ہاں اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے یہ لکھا کہ جس شہر میں یہ آوارہ وفساق لوگوں کی وضع ہو تو اس عارض کے سبب اس سے احتراز ہوگا، مگر یہاں نہ یہ آوارہ وفساق یا کفار کی خاص وضع ہے، نہ ان کی علامت، بلکہ اکابر علما و مشائخ اور ان کے خلفا و تلامذہ نے اس طرز کو اختیار کیا اور اسی طریقے پر عمامہ شریف کو اپنے سروں پر سجایا۔ لہٰذا بکر کا اسے خاص

کفار کا شیوہ قرار دینا غلط بلکہ جہالت ہے۔ مسئلہ شرعیہ میں سخت جرأت ہے کہ امام اہل سنت نے طرہ کو اصلاً جائز ٹھہرایا اور حکم احتراز کو اس علاقہ سے مقید کیا کہ جہاں آوارہ وفساق کی خاص وضع ہو۔ جب کہ بکر مطلقاً طرہ ہی کو کفار کا شیوہ کہتا ہے، اس لیے اس پر لازم ہے کہ اعلانیہ توبہ ورجوع کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبـــــــــــــــــہ

حسان المصطفیٰ قادری غفرلہ

خادم: طیبۃ العلما جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی مئو یوپی

۱۴ محرم الحرام ۱۴۴۴ھ

الجواب صحیح وھو تعالیٰ اعلم

فقیر ضیاء المصطفیٰ قادری غفرلہ

☆☆☆

مسئلہ:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص "ایاک نعبد" کو "یاک نعبد" پڑھے تو شرعاً کیا حکم ہے؟

نیز یہ بھی فرمائیں کہ ایسی صورت میں نماز ہوگی یا نہیں؟

اور یہ مسئلہ بھی واضح فرمائیں کہ ہونٹ کے نیچے کے بال کو منڈا کر صرف خط کے طور پر رکھنا کیسا ہے؟

مدلل جواب عنایت فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: مولانا منظر امام نوری

بمقام مغربی چمپارن بہار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب:۔ (۱) "ایاک" کی جگہ "یاک" پڑھنا حرام ہے کہ کلمۂ قرآنیہ موضوعہ کو مہملہ بنا دینا ہے، اس طرح پڑھنے سے نماز نہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) ہونٹ کے نیچے کے بال کو مونڈانا حرام ہے کہ وہ داڑھی کا حصہ ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

''یہ بال بداہۃً سلسلۂ ریش میں واقع ہیں کہ اس سے کسی طرح امتیاز نہیں رکھتے تو انھیں داڑھی سے جدا ٹھہرانے کی کوئی وجہ وجیہ نہیں، وسط میں جو بال ذرا سے چھوڑے جاتے ہیں، جنھیں عربی میں "عنفقه" اور ہندی میں ''بچی'' کہتے ہیں، داخل ریش ہیں، **كما نص عليه الامام العينى وعنه نقل فى السيرة الشامية**۔ ولہٰذا امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہوا کہ جو کوئی انھیں مونڈاتا اس کی گواہی رد فرماتے، **كما ذكره الشيخ المحدث فى مدارج النبوة**۔ تو بیچ میں یہ دونوں طرف کے بال جنھیں عربی میں "فنكين" ہندی میں ''کوٹھے'' کہتے ہیں کیوں کر داڑھی سے خارج ہو سکتے ہیں۔ داڑھی کے باب میں حکم احکم حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اعفوا اللحی واوفروا اللحی ہے تو اس کے کسی جز کا مونڈنا جائز نہیں۔ لاجرم علما نے تصریح فرمائی کہ کوٹھوں کا نتف یعنی اُکھیڑنا بدعت ہے۔ امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسے شخص کی گواہی رد فرمائی۔

ہاں اگر یہاں بال اس قدر طویل وانبوہ ہوں کہ کھانا کھانے، پانی پینے، کلی کرنے میں مزاحمت کریں تو ان کا قینچی سے بقدر حاجت کم کر دینا روا ہے۔ خزانۃ الروایات میں تاتارخانیہ سے ہے:

يجوز قص الاشعار التى كانت من الفنكين اذا زحمت فى المضمضة والاكل او الشرب۔

یہ روایت بھی دلیل واضح ہے کہ بغیر اس مزاحمت کے ان بالوں کا کترنا بھی ممنوع ہے، نہ کہ مونڈنا۔ (فتاویٰ رضویہ، ج:۹/۸۷، کتاب الحظر والاباحۃ)

اس سے معلوم ہوا کہ نچلے ہونٹ کے نیچے وسط میں جو بال ہوتے ہیں، وہ داڑھی کا حصہ ہیں اور ان کے دونوں طرف کے بال بھی داڑھی ہی ہیں، لہٰذا ان کا مونڈانا اور مونڈنا، کترنا ناجائز و گناہ ہے۔ ہاں حاجت کے وقت بقدرِ حاجت کترنا جائز ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبـــــــــــــــــہ

محمد ابوالحسن قادری غفرلہ

خادم الافتا: طیبۃ العلما جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی مئو

۲۴ر محرم ۱۴۴۱ھ

الجواب صحیح وہو تعالیٰ اعلم

فقیر ضیاء المصطفیٰ قادری غفرلہ

۷ر جمادی الاولیٰ ۱۴۴۲ھ

☆☆☆

مسئلہ:۔ کیا فرماتے ہیں مفتیانِ اسلام اس سلسلے میں کہ امامت و خلافت سے کیا مراد ہے؟ دونوں ایک ہیں یا دونوں میں کچھ فرق ہے؟

ایک صاحب کا کہنا ہے کہ حضرت صدیق اکبر خلیفۂ اول ہیں اور حضرت مولائے کائنات علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ امام اول ہیں تو اس کی کیا توجیہ ہو سکتی ہے؟

نیز حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت و امامت کا انکار کیا حکم رکھتا ہے؟ بینوا توجروا

مستفتی: نور محمد قادری، کھنڈوا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب:۔ فقہائے کرام کے نزدیک امامت کی دو قسمیں ہیں: صغریٰ اور کبریٰ۔ امامت صغریٰ، امامت نماز ہے۔

درمختار میں ہے: والصغریٰ ربط صلاۃ المؤتم بالامام۔ (ج:۲ر ص:۲۸۴، باب الامامۃ)

اور امامت کبریٰ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خلافت و نیابت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خلافت و نیابت سے مسلمانوں کے تمام دینی اور دنیوی امور میں حسب شرع تصرفِ عام کا اختیار رکھے اور غیر معصیت میں اس کی اطاعت تمام جہاں کے مسلمانوں پر فرض ہو۔

قال السعد فی شرح المقاصد: الفصل الرابع فی الامامۃ، وہی ریاسۃ عامۃ فی امر الدین والدنیا خلافۃ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

وقال البیضاوی فی طوالع النوار: الامامۃ عبارۃ عن خلافۃ شخص من الاشخاص للرسول علیہ السلام فی اقامۃ القوانین الشرعیۃ، وحفظ حوزہ الملۃ علی وجہ یجب اتباعہ علی کافۃ الامۃ۔

وقال ابو الحسن الماوردی فی الاحکام السلطانیۃ: الامامۃ موضوعۃ لخلافۃ النبوۃ فی حراسۃ الدین وسیاسۃ الدنیا ---- وترادف الخلافۃ الامامۃ العظمی، وامارۃ المومنین، فھی ثلاث کلمات متحدۃ المعنی فی لسان الشرعیین، والقائم بھذہ الوظیفۃ یسمی خلیفۃ، واماما، وامیر المؤمنین اما تسمیتہ خلیفۃ فلکونہ یخلف النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی امتہ۔ (ماخوذ از تعلیق علی ردالمحتار، ج:۲ر ص:۲۷۷)

مذکورہ عبارات سے واضح ہوگیا کہ امامت و خلافت مترادف لفظ ہیں، یعنی دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔ لہٰذا قائل کا یہ

قول کہ ”حضرت ابو بکر خلیفۂ اول ہیں اور حضرت مولائے کائنات علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ امام اول ہیں“ سراسر غلط اور جہالت پر مبنی ہے۔ بلکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلافت وامامت دونوں اعتبار سے اول ہیں۔

شرح العقائد میں ہے:

ان الخلافة بعد رسول الله عليه السلام لابي بكر ثم لعمر ثم لعثمان ثم لعلي رضي الله عنهم۔ (شرح العقائد، ص:۳۲۴، بيان الخلفاء الراشدين)

اوراعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

”اہل سنت وجماعت نصرہم اللہ تعالیٰ کا اجماع ہے کہ مرسلین ملائکہ و رسل وانبیائے بشر صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہ علیہم کے بعد حضرات خلفائے اربعہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم تمام مخلوق الٰہی سے افضل ہیں، تمام امم عالم اولین وآخرین میں کوئی شخص ان کی بزرگی و عظمت وعزت ووجاہت وقبول وکرامت وقرب وولایت کو نہیں پہنچتا۔

”ان الفضل بيد الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم“۔ (القرآن)

فضل، اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں میں ہے۔ جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ پھر ان میں باہم ترتیب یوں کہ سب سے افضل صدیق اکبر، پھر فاروق اعظم، پھر عثمان غنی، پھر مولیٰ علی صلی اللہ تعالیٰ علی سیدہم ومولاہم وآلہ وعلیہم وبارک وسلم“۔

(فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۲۸ ص:۴۷۸، رسالہ غایۃ التحقیق فی امامۃ العلی والصدیق)

(۲) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت وامامت پر تمام صحابۂ کرام کا اجماع اور اتفاق ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص خلافتِ صدیق اکبر کا انکار کرے تو وہ کافر ہے۔

بحر الرائق میں ہے: **وان انكر خلافة الصديق فهو كافر۔** (ج:۱ ر ص:۶۱۱، باب الامامة)

اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

من انكر امامة ابي بكر الصديق رضي الله تعالىٰ عنه فهو كافر وعلى قول بعضهم هو مبتدع وليس بكافر والصحيح انه كافر۔

(ج:۲ ر ص:۲۶۴، باب التاسع فی احکام المرتدین)

اور بزازیہ میں ہے:

ومن انكر خلافة ابي بكر الصديق رضي الله عنهفهو كافر في الصحيح۔ (ج:۶،ص:۳۱۸، من الفتاوىٰ عالمگيريه، نوع فيما يتصل بها مما يجب الكفارة من اهل البدع)

اوراعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

”ایسے ہی آپ کی خلافت کا انکار کرنا بھی کفر ہے“۔

فتاویٰ خلاصہ قلمی کتاب الصلاۃ، فصل ۱۵/ اور خزانۃ المفتین علمی کتاب الصلاۃ فصل فی من یصح الاقتداء بہ ومن لا یصح میں ہے:

”الرافضي ان فضل عليا على غيره فهو مبتدع ولو انكر خلافة الصديق رضي الله تعالىٰ عنه فهو كافر“۔ رافضی اگر مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کو سب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل جانے تو بدعتی گمراہ ہے۔ اور اگر خلافت صدیق رضی اللہ عنہ کا منکر ہو تو کافر ہے“۔ (فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۱۴ ر ص:۲۵۰، رسالہ ردالرفضۃ)

واللہ تعالیٰ اعلم

کتبـــــــــــہ

محمد ابوالحسن قادری غفرلہ

خادم الافتا: جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی مئو

۲۷ ر ربیع الثانی ۱۴۴۴ھ

★★★

عظمت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک نورانی جھلک

از قلم: مفتی محمد حبیب اللہ خاں مصباحی
خادم الافتا: دار العلوم فضل رحمانیہ پچپڑوا، بلرام پور (یوپی)

دنیائے اسلام میں انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد جن عظیم وبابرکت شخصیتوں نے فروغِ اسلام کے لیے جان ومال کی بے پناہ خلوص وللّٰہیت کے ساتھ بے لوث قربانی پیش کی ہے، وہ حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جماعت ہے۔ اسی لیے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ساری کائنات کے اچھے ونیک لوگوں پر وہ فضیلت وعظمت حاصل ہے جو کسی بھی مسلمان کو صبح قیامت تک نہ حاصل ہوگی۔ حضراتِ صحابۂ کرام کی قربانیاں بارگاہِ الٰہی میں اس قدر پسندیدہ اور مقبول ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان سے راضی اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں۔

"لقد رضی اللّٰه عنهم ورضوا عنه"۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا ہی میں ان کے بارے میں یہ بشارت و خوش خبری دے دی ہے کہ سارے صحابہ جنتی ہیں۔

كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى۔

نیز نبی آخر الزماں نے اپنی مبارک زبان سے اصحابِ بدر کے دلوں کی پاکیزگی کو اُجاگر کرتے ہوئے فرمایا:

اعملوا ما شئتم لقد غفرت لکم۔

کہ اے اصحابِ بدر! تم جو چاہو کرو، میں نے تمھیں بخش دیا ہے۔

واضح رہے! تین سو تیرہ اصحابِ بدر صحابہ کی یہ وہ عظمت وفضیلت ہے، جو بلا شبہ دنیا میں کسی بھی فردِ بشر کو حاصل نہیں، خواہ وہ کسی بھی نبی کا امتی ہو اور کیسا بھی اس کا عظیم ترین دینی کارنامہ ہو۔ اسی لیے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بغض وعناد، دشمنی وکینہ رکھنا اور ان کو لعن وطعن کرنا جائز نہیں، بلکہ بعض صورتوں میں تو کفر بھی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی عظمت کو اجاگر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

''اے لوگو! میرے صحابہ کو بُرا بھلا نہ کہو، میرے صحابہ کی شان تو یہ ہے کہ اگر وہ ایک مٹھی جَو راہِ خدا میں خرچ کریں اور تم اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرو تو وہ تمہارا سونا خرچ کرنا ان کے ایک مٹھی جَو کے برابر نہیں ہوسکتا ہے''۔

اللہ اکبر! عظیم فرق ہے دونوں کے دست مبارک کے خرچ میں، ان کے دست مبارک سے جو چیز بھی لگ جائے، خواہ وہ کتنی ہی معمولی کیوں نہ ہو، اس کی عظمت کا یہ حال ہے کہ دنیا کی کوئی بھی چیز اس کے برابر نہیں ہوسکتی ہے۔ تو ان رفیع الدرجات حضرات کے برابر کسی اور کے ہونے کا تصور کیوں کر کیا جا سکتا ہے؟

اسی لیے اہل سنت وجماعت کا اجماع ہے کہ صحابۂ کرام کا ذکر جب بھی ہو خیر ہی کے ساتھ ہو اور ان کی لغزشوں اور آپسی

اختلافات کا ذکر نہ کیا جائے، ہمیشہ دل میں ان کی عزت وعظمت کا چراغ روشن رکھا جائے، اس لیے کہ ان کا راستہ راہِ مستقیم ہے، انھیں کے نقش قدم پر ہمیشہ چلا جائے، ایک آن ولمحہ کے لیے بھی اس سے انحراف نہ کیا جائے۔اسی لیے امام اہل سنت سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت اپنے سب عقیدت مندوں کو یہ پیغام دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: ؂

ترے غلاموں کا نقش قدم ہے راہِ خدا
وہ کیا بہک سکے جو یہ سراغ لے کے چلے

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اپنے ایمان وعمل میں ایسے مخلص تھے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انھیں کی طرح ایمان لانے کا حکم دیا۔

"امنوا کما امن الناس"۔ (سورۂ بقرۃ، آیت ۱۳)

یعنی صحابۂ کرام کی طرح ایمان لاؤ، تاکہ جیسے ان کا ایمان کامل تھا، ویسے تمہارا بھی ایمان کامل رہے۔

اب اس فرمانِ الٰہی سے یہ بات بھی روشن اور آشکارا ہوگئی کہ صحابۂ کرام بلا شبہ کامل الایمان تھے کہ ایمان لانے میں بھی ان کی حیثیت مقتدیٰ وپیشوا کی ہے، تمام لوگ ایمان لانے میں انھیں کی تقلید کریں کسی اور کی تقلید ہرگز نہ کریں۔

امیر المومنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک مرتبہ یہ سوال کیا گیا کہ صحابیٔ رسول حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ افضل ہیں یا حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ؟ حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعجب کرتے ہوئے فرمایا کہ اب علم دین لوگوں کے سینوں سے اتنا اٹھ گیا کہ غیر صحابی کو صحابی کے برابر سمجھنے لگے، کیا ان کو صحابہ کی عظمت نہیں معلوم؟ سنو! صحابہ کی عظمت یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرکار کے زمانۂ مبارکہ میں جس گھوڑے پر سوار ہوکر جہاد کرتے تھے، اس کی ناک سے نکلے ہوئے پانی پر جو گرد وغبار لگ گیا تھا، اس کے برابر بھی حضرت عمر بن عبدالعزیز نہیں ہوسکتے ہیں، گرچہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رتبہ بھی بہت بلند ہے، ان کی خلافت منہاج شریعت پر تھی، اسی لیے ان کی حکومت کو خلافت راشدہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

فقیہ اعظم ہند حضرت علامہ الشاہ امجد علی اعظمی مصنف بہار شریعت رحمۃ اللہ علیہ صحابہ کی عظمت و بزرگی اور ان کے عظیم رتبے اور درجے کو بیان کرتے ہوئے اپنی کتاب بہار شریعت جلد اول میں تحریر فرماتے ہیں:

''تمام صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اہل خیر وصلاح ہیں اور عادل، ان کا جب ذکر کیا جائے تو خیر ہی کے ساتھ ہونا فرض ہے، کسی صحابی کے ساتھ سوئے عقیدت مذہبی وگمراہی واستحقاقِ جہنم ہے کہ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ بغض ہے، ایسا شخص رافضی ہے، گرچہ چاروں صحابہ کو مانے اور اپنے آپ کو سنی کہے۔اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے والد ماجد حضرت ابوسفیان اور والدہ ماجدہ حضرت ہندہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، اسی طرح حضرت سیدنا عمرو بن عاص اور حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہم، حتی کہ حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جنھوں نے قبل اسلام سیدالشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا اور بعد اسلام اخبث الناس مسیلمہ کذاب ملعون کو واصل جہنم کیا، وہ خود فرمایا کرتے تھے: میں نے خیر الناس وشر الناس کو قتل کیا ہے۔ ان میں سے کسی کی شان میں گستاخی تبرا ہے اور اس کا قائل

رافضی ہے، گرچہ حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی توہین کی مثل نہیں ہوسکتی کہ ان کی توہین بلکہ ان کی خلافت سے انکار ہی فقہائے کرام کے نزدیک کفر ہے۔ کوئی ولی کتنے ہی بڑے مرتبے کا ہو، کسی صحابی کے رُتبے کو نہیں پہنچ سکتا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے باہم جو واقعات ہوئے، ان میں پڑنا حرام، حرام سخت حرام ہے۔ مسلمانوں کو تو یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ سب حضرات ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جاں نثار و سچے غلام ہیں، تمام صحابۂ کرام جنتی ہیں، وہ جہنم کی بھنک نہ سنیں گے، ہمیشہ اپنی مان مانتی مرادوں میں رہیں گے، محشر کی وہ بڑی گھبراہٹ انھیں غم گین نہ کرے گی، فرشتے ان کا استقبال کریں گے، کہ یہ ہے وہ دن جس کا تم سے وعدہ تھا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نہ انبیا تھے، نہ فرشتے تھے کہ معصوم ہوں، ان میں سے لغزشیں ہوئیں مگر ان کی کسی بات پر گرفت اللہ و رسول جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے بھلائی کا وعدہ فرمالیا تو ہمیں اور آپ کو کیا حق رہا کہ ان کی کسی بات پر لعن کریں، طعن کرنے والا اللہ تعالیٰ سے جدا اپنی مستقل حکومت قائم کرنا چاہتا ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجتہد تھے، انکا مجتہد ہونا حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حدیث صحیح بخاری میں بیان فرمایا ہے۔ مجتہد سے خطا و صواب دونوں صادر ہوتے ہیں اور مجتہد سے جو خطائے اجتہادی ہوتی ہے، اس میں اس پر عنداللہ کوئی مواخذہ نہیں ہے۔

خلاصۂ کلام! صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس مقدس جماعت و گروہ کو کہتے ہیں، جنھوں نے سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایمان کی حالت میں بحالت ظاہری و بے داری اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو، یا زمانۂ مبارکہ پایا ہو اور ایمان ہی کی حالت میں خاتمہ بالخیر ہوا ہو۔

سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دیدار پُرانوار ہی وہ دولت بے بہا اور عظیم نعمت ہے، جس تک رسائی بڑے سے بڑے ولی، غوث، قطب، ابدال، صدیقین، شہدا و صالحین کی ممکن ہی نہیں محال تر ہے، اس لیے کہ صبح قیامت تک صحابہ کے مثل کوئی بھی فردِ بشر پیدا ہی نہیں ہوسکتا ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کسی کو پیدا کرے گا، کیوں کہ جتنے نیک اچھے اور بھلے لوگ دنیا میں پیدا ہونے والے تھے، وہ سب سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دورِ حیات ہی میں پیدا ہو چکے۔

واضح رہے کہ اچھوں اور نیکوکاروں سے نہ دنیا کبھی خالی تھی اور نہ قیامت تک خالی رہے گی، مگر بعد کے آنے والے لوگوں میں وہ خوبی اور کمال ممکن ہی نہیں، خواہ وہ کیسے ہی بزرگ و خدا رسیدہ ہوں، اس لیے کہ صحابہ میں جو اخلاص اور سرکار سے سچی محبت و جاں نثاری کرنے والا جذبہ اور سرکار کے دیدار پُرانوار سے جو رتبہ و درجہ حاصل ہوتا تھا، وہ کہاں سے اب پائیں گے اور کہاں سے لائیں گے۔

اخیر میں ہم بارگاہِ الٰہی میں اپنے اور اپنے سب احباب کے لیے دعا کرتے ہیں کہ مولیٰ تعالیٰ اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقہ میں صحابۂ کرام کے عقیدت مندوں اور غلاموں کی صف میں ہم سب لوگوں کو کھڑا ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور انھیں کے نقش قدم پر جینے مرنے اور آخری سانس تک اسی پر چلنے کی سعادت نصیب فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

★★★

خلافت ابوبکر رضی اللہ عنہ ـــــ راشدہ یا غاصبہ؟

از برکت خان امجدی
پیپاڑ جودھپور

مندرجہ ذیل من گھڑت افسانوں سے اور عقائد سیاہ سے بچاؤ کے لیے ہمارے اکابرین نے جدید اندازِ رد اپنایا ہے، لیکن ہم نے اس کو صرف ڈی۔پی پر لگا کر اور اسٹیٹس کا ویڈیوز بنا کر نشر کر کے بہت بڑی دین کی خدمت سمجھ لی ہے اور اس کی حقیقت تک نہ پہنچ سکے۔ نہ ہم عقائدِ اہل تشیع سے بخوبی واقف ہیں، یہ ہماری بہت بڑی کمی بھی ہے۔ کچھ لوگوں نے کچھ لکھنے کی کوشش بھی کی، لیکن وہ میرے خیال سے کافی نہیں تھا۔ اس لیے گدائے امجد نے کچھ الفاظ قارئین کے حوالے کرنے کی کوشش کی ہے۔ مطالعہ فرمائیں:

اس بدعقیدگی کے دور میں لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے نت نئے آلات اپنائے جارہے ہیں۔ کبھی فقہ حنفی، کبھی حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آڑ میں تو کبھی حب علی کے بہانے بغض ابوبکر رضی اللہ عنہما کا سبق سنیت کا لبادہ اوڑھ کر جاہل عوام کے عقیدۂ حقہ پر وار کیا جارہا ہے۔ اہل تشیع نے حد سے بڑھ کر یہ بھی الزام لگایا کہ خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ مسئلہ خلافت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو راشدہ نہیں، بلکہ غاصبہ ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے۔

اب جانتے ہیں کہ خلافت کے مسئلہ میں اہل حق کا کیا عقیدہ ہے؟ اور اہل تشیع کا عقیدہ کیا ہے؟

عقیدۂ اہل تشیع:

خلافت رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی کا حق تھا، اس کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما نے غصب کیا ہے۔ کچھ اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر باقی سب مرتد ہو گئے تھے۔

عقیدۂ اہل سنت:

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت بلافصل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے تسلیم کرتے ہیں۔ پھر حضرت عمر۔ پھر حضرت عثمان۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہم۔ انہی کو خلفائے راشدین کہتے ہیں۔ باقی تمام اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مؤمن و عادل تھے۔

اہل تشیع نے اپنے باطل عقیدہ کو ثابت کرنے کے لیے کئی

طریقوں سے بہانہ بازی کی، لیکن سب بے اصل ہے۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ مطلع القمرین میں فرماتے ہیں کہ اہل تشیع کو ایک عبدالبر القرطبی کی ایک روایت مل گئی۔ روایت یہ ہے کہ "روی عن سلمان، المقداد، ابی ذر، خباب، جابر، ابی سعید الخدری، زید بن ارقم رضی اللہ عنھم ان علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ اول من اسلم فیضلہ ھولا علی غیرہ" حضرت سلمان، مقداد، ابوذر، خباب، جابر بن عبداللہ، ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پہلے اسلام لانے کی وجہ سے فضیلت دیتے تھے۔(الاستیعاب فی معرف الاصحاب جلد 1)

امام فرماتے ہیں کہ یہ روایت دو حال سے خالی نہیں کہ عبد البر سے پہلے ہزارہا آئمہ دین و علمائے محدثین و ناقدین گزرے، انہی کا کچھ حصہ عبدالبر کو پہنچا تھا، یا تو ان آئمہ و محدثین کی اس پر نظر نہ پڑی تھی، یہ سخت تعجب ہے کہ یہ آئمہ دین اس صحیح روایت سے غافل رہ جائیں، یہ بھی ممکن نہیں۔ یا یہ کہ ان سب نے اس کے کتمان پر اتفاق کر لیا ہوتو اس سے ذہن اس طرف بھی جاتا ہے کہ جب ایک روایت کے کتمان پر اتفاق کر سکتے ہیں تو اور بھی انہوں نے بہت کچھ چھپایا ہوگا، پھر تو وہی اہل تشیع کا عقیدہ آ گیا کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن میں بہت کچھ تبدیلی و تنقیص کی ہے۔

دوسری من گھڑت روایت یہ پیش کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چالیس آدمی تیار کئے تھے، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی دھوکہ دہی اور بے وفائی دیکھی تو گھر بیٹھے رہے "فلما رای علی علیہ السّلام وقلۃ و وفائھم یوم بیتہ" (احتجاج طبرسی وتحفہ جعفریہ جلد 1)

اہل تشیع کی مشہور تفسیر "تفسیر قمی" میں ہے کہ "ثم قام و تھیا للصلوۃ و حضر المسجد و صلی خلف ابوبکر" (تفسیر قمی)

پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے نماز کی تیاری کی اور مسجد آئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ گھر میں نہیں بیٹھے رہے، بلکہ مسجد میں خلیفۂ اول کی اقتدا میں نماز ادا کرتے تھے، بہترین مشورے سے بھی نوازتے تھے۔

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ روایت مبنی بر بغض ہے اور اگر بصورتِ محال اس کو صحیح مان بھی لیا جائے تو اس سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی بزدلی ظاہر ہوتی ہے، جب کہ فریقین ان کی شجاعت پر متفق ہیں۔

تیسرا حیلہ بہانہ یہ کرتے ہیں کہ زرارہ کہتا ہے کہ "میں نے امام باقر سے پوچھا کہ امیر المومنین علیہ السلام نے لوگوں کو اپنی خلافت کی طرف دعوت کیوں نہیں دی تھی؟ امام باقر علیہ السلام نے جواب دیا کہ اس ڈر سے کہ کہیں لوگ مرتد نہ ہو جائیں۔قال علیہ السلام خوفا ان یرتد" (تحفہ جعفریہ)

جب کہ کتب اہل تشیع اس بات پر دال ہیں کہ بعد وصال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سوائے تین اصحاب حضرت ابوذر، حضرت مقداد، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہم کے علاوہ باقی تمام لوگ راہِ ارتداد پر تھے۔ "ان الناس کانو اھل الردۃ بعد

النبی صلی اللہ علیہ الا ثلاثہ" (بحار الانوار)

جب لوگ پہلے سے ہی مرتد ہو گئے تھے تو پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا اعلان خلافت اس ڈر سے نہ کرنا یہ تو اس طرح ہو گیا کہ مردے کو نہ مارو کہیں وہ مر نہ جائے۔ اس کے علاوہ بھی یہ لوگ اپنے عقائد کے ثبوت میں من گھڑت روایات ذکر کرتے ہیں۔

اب ہمارا اہل تشیع سے یہ سوال ہے کہ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو یہ معلوم تھا کہ یہ خلافت غاصبہ اور اہل ارتداد کی ہے تو ان کے خلاف جنگ کیوں نہیں کی؟ علم بغاوت بلند کیوں نہیں کیا؟ جب کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم خلفائے ثلاثہ کا ساتھ دیتے رہے اور ان کے مشیر بھی رہے۔ جب کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور اس کی بیعت کے منکر رہے۔ کیونکہ یزید کی حکومت حدودِ اسلامیہ کو پامال کر رہی تھی۔

اہل تشیع کا یہ من گھڑت افسانہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال پُر ملال کی شیخین رضی اللہ عنہما کو کوئی فکر نہ تھی، بلکہ وہ خلافت کے چکر میں دوڑ بھاگ کر رہے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے بیعت کرنے سے انکار کیا اور بیعت نہیں کی۔ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے خلافت کا حق غصب کیا اور آپ رضی اللہ عنہ ان سے ناراض بھی رہے۔ جبکہ ایسا بالکل نہیں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلفائے ثلاثہ کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے رہے، وہ ان کو بہترین مشورے بھی دیا کرتے تھے۔ جب بلوائیوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے شہزادوں کو ان کا پہرے دار مقرر کیا تھا، بلکہ کچھ معتبر کتب کی عبارتیں یوں بھی بولتی ہیں:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے خلفائے ثلاثہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ (احتجاج طبرسی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ برابر خلفائے ثلاثہ کے پیچھے نماز پڑھتے رہے۔ (احتجاج طبرسی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ خلفائے ثلاثہ کی مدح وثنا کرتے رہے۔ (نہج البلاغہ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خلفائے راشدین کے ناموں پر اپنے صاحبزادوں کے نام رکھے۔ (جلاالعیون)

ان سب عبارات سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہو رہا ہے کہ یہ خلفائے ثلاثہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ناراضگی والا عقیدہ اہل تشیع کے گھر کا ہے۔ جبکہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں آپسی کوئی رنجش نہ تھی۔ کئی معتبر احادیث کی کتب سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت بھی ثابت ہے۔

اب اگر اہل تشیع اپنے عقائد کو حق مانتے ہیں تو حق دلائل پیش کریں۔ گھر کے گڑھے ہوئے قبول نہیں۔

اگلی قسط میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی شرکت ان شاءاللہ تعالیٰ۔

★★★

نعیم الدین مرادآبادی

حضرت علامہ مفتی بہاء المصطفیٰ قادری مدظلہ العالی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیدنا اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں دبدبہ سکندری نام کا ہفتہ روزہ (ویکلی) اخبار رامپور یوپی سے چھپتا تھا ہر ہفتہ آتا، اس اخبار میں مولوی نعیم الدین مرادآبادی صاحب کا مضمون اکثر آتا رہتا جو مسلک اہل سنت کی حقانیت پر کبھی حالاتِ حاضرہ پر بہت مفید ومستند ہوتا تھا، جو اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی نظر سے گزرتا پڑھ کر بہت خوش ہوتے، مگر مولوی نعیم الدین صاحب سے متعارف نہیں تھے۔

مرادآباد کے ایک عقیدت مند مرید حاجی صاحب اکثر دس پندرہ روز پر اعلیٰ حضرت کی زیارت کے لیے بریلی شریف آتے۔ ایک روز حاجی صاحب سے فرمایا: یہ مولوی نعیم الدین مرادآبادی کون صاحب ہیں؟ ان کو مجھ سے ملوایئے، یہ بہت کام کے ہیں۔ چند ملاقات ہی میں اعلیٰ حضرت کے فیض سے مالا مال ہوکر اعلیٰ حضرت کے ہوکر رہ گئے اور اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی نظر کیمیا اثر نے آپ کو صدرالافاضل اور مفسر قرآن کے لقب سے مشہور ومعروف کرادیا۔

سیدنا اعلیٰ حضرت کی نظر میں بہت معتمد ومستند مانے جاتے تھے، مباحثہ یا اہم جلسے وغیرہ کے لیے آپ ہی کو روانہ کیا کرتے، آپ کی تحریر وتقریر بہت موثر ہوا کرتی۔ عرس رضوی میں قل شریف کے وقت آخری آپ کی یا صدرالشریعہ کی تقریر ہوا کرتی۔

حضرت صدرالشریعہ اور صدرالافاضل علیہما الرحمہ کے درمیان بہت الفت ومحبت تھی، ہر سال جامعہ نعیمیہ کے سالانہ جلسہ میں صدرالشریعہ کو مدعو فرماتے اس جلسہ میں صدرالشریعہ کی معرکۃ الآرا تقریر ہوا کرتی۔

حضرت محدث اعظم ہند فرماتے ہیں کہ حضرت صدرالافاضل فرماتے تھے کہ میں صدرالشریعہ کی ایک تقریر سے تین تقریر تیار کرلیتا ہوں، اس پر محدث اعظم ہند نے فرمایا: اور میں صدرالافاضل کی ایک تقریر سے دس تقریر تیار کرتا ہوں۔ اللہ اکبر!۔ ان بزرگوں کے بیان میں کتنا علمی ذخیرہ ہوا کرتا تھا۔ کاش! اس وقت ان تقریروں کو قلم بند کرلیا گیا ہوتا تو بہت بڑا علمی ذخیرہ ہم لوگوں کو حاصل ہوتا۔

عرس رضوی میں ہر سال صدرالشریعہ اور حضرت صدرالافاضل جلوہ افروز ہوا کرتے، حضور سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے دولت خانہ پر قیام ہوتا، اور قیام گاہ پر حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ اکثر مزاج پُرسی کے لیے تشریف لاتے۔

حضرت حاجی مولانا مبین الدین صاحب قبلہ شیخ الحدیث جامعہ مظہر اسلام بریلی شریف ذکر فرمایا کرتے کہ حضرت صدرالا فاضل جب بریلی آتے ساتھ میں اسٹوپ ضرور لاتے۔ سفر میں اسٹوپ ساتھ میں رکھنا آپ کی عادت تھی تاکہ چائے وغیرہ کی پریشانی نہ ہو۔ ایک روز حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ مزاج پُرسی کو تشریف لائے اس وقت صدرالشریعہ بھی تشریف فرما تھے، حضرت صدرالا فاضل نے خادم سے فرمایا: چائے بنالو، خادم نے چائے بنانے کے لیے اسٹوپ جلانا شروع کیا (اس وقت اسٹوپ کا برنل اسپرٹ سے گرم کیا جاتا تھا) اس پر حضور مفتی اعظم ہند نے فرمایا: آپ اسپرٹ استعمال کرتے ہیں، جب کہ اسپرٹ کا استعمال حرام ہے۔ اس پر صدرالا فاضل نے فرمایا: استعمال کہاں کر رہا ہوں، میں تو ضائع کر رہا ہوں۔

حضور مفتی اعظم اسپرٹ سے اسٹوپ جلانے کو اسپرٹ کا استعمال فرماتے۔ اور حضرت صدرالا فاضل اسپرٹ جلانے کو ضائع کرنا فرماتے۔ بہت دیر تک گفتگو ہوتی رہی اور صدر الشریعہ دونوں صاحبان کی گفتگو سماعت فرماتے رہے اور مسکراتے رہے، مگر صدرالا فاضل قائل نہیں ہوئے۔ اس پر کسی نے صدرالشریعہ سے کہا: صدر صاحب! آپ بھی کچھ فرمائیں۔ اس پر صدرالشریعہ نے صدرالا فاضل سے دریافت فرمایا: آپ اسپرٹ کیوں خریدتے ہیں؟ جھٹ جواب دیا: اسٹوپ جلانے کے لیے۔ اس پر صدرالشریعہ نے فرمایا: یہ ہی تو اس کا استعمال ہے۔ حضرت صدرالا فاضل مسکرا کر خاموش ہو گئے۔

حضرت حاجی مبین الدین صاحب امروہوی شیخ الحدیث مظہر اسلام بریلی شریف فرماتے ہیں: یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ مدرسہ اسلامیہ اندرکوٹ میرٹھ میں شیخ النحو حضرت سید غلام جیلانی میرٹھی شارح بخاری شریف و کافیہ وغیرہما کے ہمراہ درس دیتے تھے۔ ایک مولانا صاحب میرٹھی صاحب کے پاس آئے اور پوچھنے لگے: حضرت آپ نے دونوں بزرگوں کی شاگردی اختیار کی ہے، آپ کے دونوں استاذ ہیں، یہ تو بتائیں ان دونوں میں زیادہ ماہر اور افضل واعلیٰ کون ہے؟ اس پر آپ نے فرمایا: دونوں استاذ چندے آفتاب چندے ماہتاب ہیں۔ اس پر وہ صاحب کہنے لگے: نہیں، آپ صاف صاف بتائیں آپ چھپا رہے ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا: ''ہر گل را رنگ و بوئے دیگر است'' مگر وہ صاحب بضد رہے کہ ایک کو دوسرے پر ترجیح اور وجہ ترجیح بھی بتائیں۔ اب آپ کو جلال آ گیا، جلال میں فرمایا: میں ایک کو عالم و فاضل اور دوسرے کو جاہل کہوں تب تم خاموش ہو گے؟۔

ماشاء اللہ! کیا ادب و احترام تھا اپنے اساتذہ کا کہ تقابل کرنا بھی نارو جانتے تھا اور آج شاگردوں کا یہ حال ہو گیا ہے کہ اپنے اساتذہ اور علما کی بدگوئی اور افترا پردازی اور فخریہ تقریر و تحریر میں ذکر کرنا اپنا شیوہ بنا لیا ہے، دن و رات ہجو و الزام تراشی کو اپنا بڑا کارنامہ سمجھنا۔ الامان والحفیظ۔

اللہ تعالیٰ ہمیں علما اور خاص طور سے اپنے اساتذہ کی بدگمانی اور ہجو کے مرض سے محفوظ و مامون رکھے۔ اور ان کے فیوض و برکات سے ہر جگہ مستفیض و مستنیر فرمائے۔ آمین۔

اسی طرح کا ایک واقعہ کسی طالب علم کا، حضرت سیدنا عبدالجلیل بلگرامی علیہ الرحمہ نے سبع سنابل شریف کے کسی سنبلہ میں تحریر فرمایا ہے، وہ آج کل کے شاگردوں کے لیے ایک

تازیانہ ہے، اگر موقع میسر آئے تو ضرور اس کا مطالعہ کریں۔

مرادآباد کے ایک بہت ہاکڑ مقرر صاحب جن سے میری کافی ملاقات رہی، بہت دنوں کے بعد شاہجہاں پور کے ایک علاقہ میں ایک جلسہ میں ملاقات ہوگئی، سلام ومزاج پُرسی کے بعد اِدھر اُدھر کی گفتگو ہونے لگی، درمیان گفتگو کہنے لگے: اعلیٰ حضرت نے کیا کمال کیا ہے؟ ان میں کیا خوبی تھی؟ یہ کہیے کہ اعلیٰ حضرت کو ایسے ایسے قابل ذی صلاحیت رفقا مل گئے جیسے حجۃ الاسلام، مفتی اعظم، صدرالافاضل، صدرالشریعہ، ملک العلما وغیرہم، جنھوں نے اعلیٰ حضرت کی تعلیم وخدمات میں چار چاند لگا دیے اور مقبولیت کے آسمان پر پہنچا دیا، ورنہ اعلیٰ حضرت کو کون جانتا؟ یہ سب کامیابی کا سہرا ان کے رفقا کے سر جاتا ہے۔ اس پر میں نے کہا: مولانا صاحب! اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اگر امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو امام ابو یوسف، امام محمد شیبانی، امام زفر، امام حسن بن زیاد وغیرہم رضی اللہ عنہم اصحابِ بصیرت اور فضل وکمال اور دقیق نظر والے نہ ملتے تو امام اعظم نعمان بن ثابت ابوحنیفہ ہی رہتے۔ دنیا میں امام اعظم کے نام سے ائمہ میں مشہور ومعروف نہ ہوتے اور آپ کی خدمات دین اور متخرجہ مسائل کی تقلید دنیا کے دوتہائی مسلمان ہرگز نہ کرتے، یہ تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کا علمی فیضان ہے کہ آپ نے اپنے اصحاب کی صحیح رہنمائی اور تخریج مسائل کا قرینہ خوب روشن ومنور کرکے بتادیا جس کے قائل خود اصحاب امام اعظم ہیں، بلکہ واقعہ تو یہ ہے کہ اصحاب امام اعظم کی شہرت کی وجہ ہی امام اعظم کی شاگردی ہے۔ مولانا! یہ اندازِ خیال اور نظریہ تو ابوالاعلیٰ مودودی کا ہے، جس نے اپنی کسی تصنیف غالباً ''تجدید احیائے دین'' میں لکھا ہے:

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کامیابی اور عروج اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ کو ایسے ایسے اصحاب مل گئے جن کی کوششوں نے یہ دن دکھایا''۔

حضرت صدرالافاضل مرادآبادی ایک عبقری شخصیت کے مالک ہیں جن کی خدمات کا ایک زمانہ معترف ہے۔ سرکار اعلیٰ حضرت کے معتمد اصحاب میں شمار ہوتے ہیں۔ ہند وپاک میں مفسر قرآن سے پہچانے جاتے ہیں۔ آپ کی تصنیف اور متفرق مضامین جو سواد اعظم رسالہ میں چھپتا رہتا تھا، وہ سب دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں، مطالعہ کے بعد آپ کی عبقری شخصیت اُبھر کر سامنے آتی ہے اور گردن خم ہوجاتی ہے۔

گرامی قدر مولانا نور الحسن گونڈوی صاحب نے حضرت صدرالافاضل علیہ الرحمہ کی خدمات وشخصیات پر قلم کی جولانی کا بیڑا اٹھایا، سیرت صدرالافاضل پر ایک گلدستہ ہے، جو نئی ترتیب وتہذیب سے بھرپور نئے نئے عنوانات کے ساتھ منظر عام پر عنقریب لا رہے ہیں، جس پر ہم ان کو ڈھیروں مبارک باد پیش کرتے ہیں۔

عزیز گرامی مولانا نورالحسن صاحب کے بار بار کی فرمائش بصورت حکم کے تعمیل کرنے پر مجبور کر دیا، یہ چند کلمات سپردِ قرطاس کردیا، پُرانی یادداشت کی بنیاد پر۔

مولانا! یہ چند ٹوٹے پھوٹے کلمات اگر آپ شاہکار کے معیار پر اترے تو شامل اشاعت کرلیں ورنہ تلف کردیں، مجھے کوئی رنج نہ ہوگا۔

دعا ہے مولیٰ تعالیٰ مولانا کی تصنیفی خدمات کو خواص وعوام میں قبولیت عام وتام فرمائے اور ذریعۂ نجات بنائے۔ آمین۔

★★★

فکر اسلامی کے ــــ تابندہ نقوش اور عصبیتِ قومیہ کا ــــ زوال

غلام مصطفیٰ رضوی
نوری مشن مالیگاؤں

عہدِ جاہلیت کے باطل رسم و رواج کو اسلام نے ختم کیا اور عالمی نظامِ اخوت عطا کیا، جس میں انسانیت کی فوز و فلاح کا پاکیزہ درس ہے۔ جس میں معبودِ حقیقی پر ایمان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق ہے۔ دینِ کامل اسلام کے دامنِ تقدیس میں آنے والا، ایک آفاقی معاشرے کا رکن بن جاتا ہے۔

نسلی تفاخر کے گندے نظریات کو اسلام نے مٹا ڈالا۔ عصبیتِ قومیہ کا خاتمہ فرمایا۔ ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیا، جس میں اعتدال و توازن ہے اور احترام و اکرام کے پاکیزہ جذبات ہیں۔

علامہ قمرالزماں خان اعظمی (سکریٹری جنرل ورلڈ اسلامک مشن برطانیہ) کہتے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصبیتِ قومیہ کو ختم کیا، سلمان فارس سے آئے، صہیب روم سے آئے، بلال حبشہ سے آئے اور اسلامی سوسائٹی کے ممبر بن گئے۔ اور ابوجہل سوسائٹی سے نکال دیا گیا"۔

حضرت سلمان فارسی بہت بڑے مذہبی پروہت کے بیٹے تھے؛ آتشکدۂ فارس کے پیشوا کے شہزادے تھے۔ کسی نے پوچھا کہ تمہارے باپ کا نام کیا ہے؟ فرمایا: سلمان اسلام کا بیٹا ہے۔ سر زمینِ عراق پر مزارِ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ پر بھی رقم ہے: "سلمان المحمدی" گویا سب کچھ اسلامی نسبتوں میں ڈھل گیا ہے اور شناخت مصطفوی ہے۔ بقول اقبال:

عجمی خم ہے تو کیا مے تو حجازی ہے مری — نغمہ ہندی ہے تو کیا لے تو حجازی ہے مری

بلادِ اسلامیہ میں لارنس آف عربیہ نے تاریخی آثار و قارئین کے مطالعہ و تحقیق کی آڑ میں نسبی و قومی عصبیتوں کے بیج بوئے۔ حجاز مقدس سے عثمانیوں کے انخلا میں نسلی منافرت کی قلمیں لگائیں۔ عصبیتوں کی آبیاری کی۔ عربی و عجمی قضیہ کو پروان چڑھایا۔

استعماری سازشوں کا یہ بنیادی پہلو تھا کہ مسلمانوں کو ان کے دینی مزاج سے منحرف کر کے قبائلی و لسانی، قومی و نسلی امتیازات و اختلافات میں مبتلا کر دیا جائے۔ مصر میں زوال پذیر فراعنہ کے نظام کو اعلیٰ نظامِ جہاں بانی کے بطور متعارف کروایا گیا۔ ان میں یہ فکر پیدا کی گئی کہ فراعنہ کی تہذیب بہترین تھی؛ تم شاہانِ مصر کی نسل سے ہو؛ اس طرح ان میں مردہ و زوال پذیر فرعونی کلچر و نسلی امتیاز کو باعثِ تفاخر ظاہر کیا گیا۔ قیصر و کسریٰ کے نظام کو متمدن بتایا گیا۔ مردہ تہذیبوں کو اسلام کے مقابل پیش کیا گیا۔ مسلمانوں کو انحراف کی شاہراہ پر گامزن کیا گیا۔ عربوں کو عجمیوں (عثمانیوں) پر تفوق و برتری کی فکر دی گئی۔ عصبیتوں کی جب فصل تیار ہو گئی تو وہ وقت بھی آیا جب سلطنتِ عثمانیہ پارہ پارہ ہو گئی۔

اُدھر ترکی میں فدائینِ استعمارِ مغرب نے عربی کلچر و زبان سے نفرت کا وہ زہر گھولا کہ اذان و زبان پر پابندی لگا دی گئی۔ لیکن ایمان دلوں میں پنہاں تھا۔ جب بیڑیاں ٹوٹی ہیں اور اقتدار کی چولیں ہل گئیں تو عصبیتِ قومیہ کا بت پاش پاش ہوا اور ایک نئے ترکی نے اقطارِ عالم میں سانس لی۔ ترکوں کے دل اسلامی تعلیمات سے مستنیر تھے۔ قلب اخوتِ اسلامی و محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں دھڑک رہے تھے:

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے — دہر میں اسمِ محمد سے اُجالا کر دے

جن ساعتوں میں بزورِ قوت بابری مسجد کو بت کدۂ شرک میں بدلا جارہا تھا؛ قسطنطنیہ کی سرزمین پر مسجد آیا صوفیہ کی بازیابی و بحالی ہورہی تھی اور صدیوں تک استعماری فکر کی حامل عمارت جو کبھی خرید کر مسجد میں تبدیل کی گئی تھی؛ جسے استعماری مزاج نظام نے میوزیم میں تبدیل کر دیا تھا؛ نغماتِ توحید و رسالت سے گونج اٹھی۔ اذانِ سحر نے فضائے بسیط کا سینہ چیر دیا۔ تمدنِ مغرب کی شام اور ثقافتِ اسلامی کی فجر ہوئی:

عقل ہے تیری سپر عشق ہے شمشیر تری　　مرے درویش خلافت ہے جہانگیر تری
ما سوا اللہ کے لیے آگ ہے تکبیر تری　　تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری
کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں　　یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حق مساوات کو اہمیت عطا فرما کر نسل پرستی و علاقائیت پر ضرب کاری لگائی۔ تقویٰ کے سوا کسی چیز کو بنیادِ فضیلت تسلیم نہیں کیا گیا۔

ارشادِ الٰہی ہے: "وہی ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا"۔ (سورۃ النساء:۱)

خطبۂ حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"اے لوگو! تمہارا پروردگار ایک ہے۔ تمہارا باپ ایک ہے۔ عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ عجمی کو عربی پر فضیلت ہے۔ نہ سفید فام کو سیاہ فام پر اور نہ سیاہ فام کو سفید فام پر بجز تقویٰ کے؛ اللہ کے جناب میں سے وہی زیادہ معزز اور محترم ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے"۔

(حیاتِ انسانی کا عالمی منشور، ترجمہ مفتی محمد عرفان مصباحی، ص۱۱)

اسی عظیم خطبہ میں یہ گوشہ بھی ہے: "سنو! جاہلیت کے تمام دستور میرے پاؤں کے نیچے ہیں (یعنی باطل ہیں) اور بے شک جاہلیت کے موروثی فخر و مباہات ختم کیے جاتے ہیں"۔ (نفس مصدر، ص۱۱-۱۲)

اسلامی نظام اخوت و محبت اور آفاقی معاشرتی سسٹم کے حامل ان نکات میں طبقاتی کشمکش کے خاتمے کا ضابطہ منحصر ہے۔ علاقائی عصبیتوں سے پاک معاشرے کی تشکیل کا پیغام ہے۔ محبتوں کی صبح تابندہ نمودار ہوتی۔ نفرتوں اور احساس برتری کے رجحانات کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے اور تفاخر کے نعرے دَم توڑ جاتے ہیں:

ما کہ از قید وطن بیگانہ ایم　　چوں نگہ نور و چشمیم و یکیم

''ہم مشرق و مغرب میں رہنے والے کلمۂ وطن کی زنجیر سے آزاد ہیں۔ ہم ایک چہرے کی آنکھیں ہیں، ایک نور و ایک روشنی ہیں"۔

از حجاز و چین و ایرانیم ما　　شبنم یک صبح خندانیم ما

" جغرافیائی حد بندیوں سے باہر نکل، حجاز و چین، ایران و روم سے نکل، ایک مسکراتی صبح کے شبنم کے قطرات بن جاؤ، جز بندیاں چھوڑ دو"۔

یہ ہندی وہ خراسانی یہ افغانی وہ تورانی　　تو اے شرمندۂ ساحل اچھل کر بیکراں ہوجا
غبار آلودۂ رنگ و نسب ہیں بال و پر تیرے　　تو اے مرغ حرم اڑنے سے پہلے پرفشاں ہوجا

عشق د جان و نسب د پیکر است　　رشتۂ عشق از نسب محکم تر است

اگر بنائے ملت، نسب پہ رکھیں تو تصور اخوت پارہ پارہ ہوجائے گا۔ عشق سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، راحت کون و مکاں اگر جان و جسم، نسل و نسب کے پیکر میں نہ ڈھلے تو چہ مسلمانی؟ کہ یہ تعلقِ محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب رکن سے محکم تر اور مضبوط تر ہے۔ اسی کو حضرت جامی امام عاشقاں نے یوں فرمایا:

بندۂ عشق شوی ترکِ نسب کن جامی　　دریں جا فلاں ابن فلاں چیزے نیست

" جامی عشق کا بندہ بن اور نسب کے تصورات کو ترک کر، اس مقام پہ فلاں بن فلاں کچھ بھی نہیں"۔

اسلامی نظامِ اخوت و رواداری رنگ و نسل اور تفاخر سے وراو بلند ہے۔ جہاں محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈور میں ہر رنگ و نسل کے بندۂ مومن پروئے ہوئے ہیں اور امتیازات کی تہیں چاک ہوئی جاتی ہیں۔ رشتۂ محبتِ رسول نے عصبیتوں کے بُتوں کو پاش پاش کر کے ایک ملت کی تشکیل کی ہے۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

ترے غلاموں کا نقش قدم ہے راہِ خدا
وہ کیا بہک سکے جو یہ سُراغ لے کے چلے

★★★

کیا یہ سب مسلمان تھے؟

مولانا خلیل احمد فیضانی

مسلمان کبھی دہشت گرد نہیں ہوتا... مسلمان ہمیشہ امن پسند ہوتا ہے... لفظ اسلام خود ہی سلامتی و شانتی کا ضامن ہے.. سلامتی کے معانی اسلام و ایمان کی گہرائیوں میں پنہاں ہیں... لہٰذا مسلمان کے معنی ہوئے ''صلح و سلامتی والا، شانتی و پریم والا''۔

آج اگر کوئی ایک مسلمان اپنی جہالت سے کسی کا مالی یا جانی نقصان کرتا ہے تو اس کے بدلے میں سارے مسلمانوں کو دہشت گرد قرار دینا اور انہیں آتنک واد سے جوڑنا بالکل غلط اور نا انصافی کی بات ہے۔

میرا ایک سوال ہے کہ کیا انسانی جانوں کو ہلاک کرنے والے صرف مسلمان ہی ہیں؟ دوسرے کسی مذہب سے تعلق رکھنے والے افراد کبھی یہ جرم نہیں کرتے ہیں؟ اگر دوسرے اس جرم میں مسلمانوں سے بھی لاکھوں قدم آگے ہیں اور یقیناً ہیں تو پھر انہیں آتنک واد اور دہشت گردی سے کیوں نہیں جوڑا جاتا، صرف مسلمانوں کو ہی دہشت سے کیوں جوڑا جاتا ہے، یہ ڈبل اسٹینڈرڈ کیوں؟ آخر یہ دوہرا معیار مسلمانوں کے ساتھ ہی کیوں؟

آج میں اسی کو ثابت کروں گا کہ خدا کی اس پاک دھرتی پر غیر مسلم کمیونٹیز کے فرعون صفت افراد نے کتنی بے گناہ جانوں کا خون بہایا، کس قدر انسانی جانوں کی بے حرمتی کی اور انھیں بڑی بے دردی کے ساتھ موت کے گھاٹ اتارا۔

(۱) ہٹلر:

کیا آپ جانتے ہیں یہ کون تھا؟ ہٹلر جرمن "عیسائی" تھا، اس نے یہودیوں نیز دوسری کئی قوموں کے بے گناہ افراد کو زندہ جلا جلا کر خاکستر کر دیا تھا، دوسری جنگ عظیم بھی اسی کے تکبر ہی کا نتیجہ تھی، انسانیت پر اتنا کچھ اس نے ظلم کیا مگر میڈیا نے کبھی "عیسائیوں" کو دہشت گرد نہیں کہا۔

کیا وہ مسلمان تھا؟

(۲) جارج بش:

یہ وہ بد طینت شخص تھا کہ جس نے اپنی ظالم فوج کو عراق بھیج کر دس/10 لاکھ سے زائد انسانی جانوں کو موت کے گھاٹ اتارا، ان بے قصور مقتولین میں وہ شیر خوار اور معصوم بچے بھی شامل تھے کہ جن کے منہ سے ابھی تک اپنی ماؤں کے دودھ کی خوشبو بھی نہیں زائل ہوئی تھی۔

کیا وہ مسلمان تھا؟

(۳) جوزف اسٹالین:

اس نے تقریباً 20 ملین انسانوں کو ہلاک کیا، جن میں

سے 14.5 ملین کو سخت اذیتیں دے کر اور تڑپا تڑپا کر فنا کیا۔

کیا وہ مسلمان تھا؟

(۴)ماؤتسنگ (چین):

اس نے 14 سے 20 ملین افراد کی زندگیوں کو تباہ کر دیا اور ان کا وجود ہی صفحۂ ہستی سے محو کر ڈالا۔ کیا وہ مسلمان تھا؟

(۵)اشوک:

اس نے کلنگا کی جنگ میں ایک ہزار لوگوں کو مروا دیا تھا۔ کیا وہ مسلمان تھا؟

(٦)بینیٹو مسولینی (اٹلی):

اس نے تقریباً 4000 ہزار لوگوں کا قتل عام کیا، ان کی جائدادیں وغیرہ تباہ کر ڈالیں۔ کیا وہ مسلمان تھا؟

اور بھی پڑھتے جائیے!!!

(۷):۔پہلی عالمی جنگ عظیم غیر مسلم ممالک کے باہمی رنجشوں کی وجہ سے شروع ہوئی۔ اس جنگ میں تقریباً 17 ملین اموات ہوئیں۔ کیا یہ ممالک اور ان ممالک کے حکمراں مسلمان تھے؟

(۸):۔دوسری عالمی جنگ عظیم (1945-1939) جس میں 50 سے 55 ملین اموات ہوئیں۔ کیا یہ جنگ کرنے والے سب مسلمان تھے؟

(۹):۔ ناگاساکی اور ہیروشیما پر ایٹمی حملہ کیا گیا، جس میں 2000'000 لوگ مارے گئے، یہ حملے غیر مسلموں یعنی یو ایس اے نے کیے تھے۔

(۱۰):۔ویتنام کی جنگ میں 5 ملین لوگ مارے گئے، یہ سب غیر مسلموں نے کیا۔

(۱۱):۔ بوسنیا/کوسوو کی جنگ میں تقریباً 5000'000 لوگ مارے گئے۔ یہ سب غیر مسلموں نے کیا۔

(۱۲):۔عراق کی جنگ میں اب تک لاکھوں کی تعداد میں نہتے لوگ لقمۂ اجل بن چکے ہیں، یہ سب غیر مسلموں نے کیا۔

(۱۳):1975 سے 1979 تک کمبوڈیا میں تقریباً 30 لاکھ لوگ مارے گئے، مارنے والے سب غیر مسلم یہودی عیسائی تھے۔

(۱۴):۔اور آج تک شام، فلسطین اور کچھ وقت پہلے تک افغانستان میں لوگ بڑی بے دردی کے ساتھ قتل کیے جا رہے تھے، یہ قاتل کون تھے؟ سب عیسائی یہودی تھے اور ہیں، مگر ان کے اس ظالمانہ اور انسانیت سوز فعل کو کبھی کسی نے آتنک واد یا دہشت گردی سے نہیں جوڑا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اگر کوئی ایک نادان مسلمان کسی کا قتل کر دیتا ہے تو سارے مسلمانوں بلکہ مذہب اسلام تک کو آتنک واد سے جوڑ دیا جاتا ہے۔ یہ کھلی ناانصافی اور ظلم نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

اخیر میں اس بات کو گانٹھ باندھ کر رکھ لیں کہ جو حقیقی مسلمان ہوتا ہے، وہ کبھی دہشت گرد نہیں ہوتا۔ اور جو دہشت گرد ہوتا ہے، وہ کبھی حقیقی مسلمان نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ قرآنی آیات ''ان اللہ لا یحب المفسدین، ولا تعثوا فی الارض مفسدین'' اس پر شاہد عدل ہیں، کہ اسلام کبھی بھی فتنہ اور فساد کی حمایت نہیں کرتا، بلکہ بیخ کنی کرتا ہے۔

★★★

نعت کا تنقیدی وتخلیقی ڈسکورس

مولانا ثاقب قمری مصباحی
(بانکا، بہار)

لغوی اعتبار سے مدحِ نبوی میں کہا یا لکھا جانے والا ہر لفظ نعت ہے، خواہ اس کا تعلق نظم کی کسی صنفِ سخن سے ہو یا نثر کی کسی ہیئت سے۔ لیکن شعری اصطلاح میں نعت وہ صنفِ سخن ہے، جس میں سرکار علیہ السّلام کے محاسن ومناقب، شمائل وفضائل اور تعریف وتوصیف پر مشتمل اشعار کہے گئے ہوں۔

تنقید عربی زبان میں بابِ تفعیل کا مصدر ہے، جس کا معنی ہے کھرے کھوٹے کی پہچان کرنا۔ یعنی کسی شے کے محاسن و معائب کو ایک دوسرے کے لیے ممیز کر دینا۔

ادبی اصطلاح میں کسی فن پارے کے حسن وقبح پر گفتگو کرنا، نقد کہلاتا ہے اور گفتگو کرنے والے کو ناقد، نقاد یا تنقید نگار کہتے ہیں۔ تنقید کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں: تنقید برائے تعمیر و توقیر، تنقید برائے تضحیک وتحقیر۔

پہلی صورت میں نقاد کی انتقادی کارروائی میں جذبۂ اخلاص کی کارفرمائی ہوتی ہے اور وہ ایک باغبان کی طرح تخلیقی چمن کے غیر ضروری برگ وبار کو تراش خراش کر اس کی تزئین وآرائش کا کام کرتا ہے۔ نیز صدق واخلاص، سنجیدگی و شائستگی، جذبۂ ہمدردی اور خوش اسلوبی کے ساتھ وہ فن پارے کا تنقیدی جائزہ لیتا ہے اور اس کے جمالیاتی کینوس کو مقناطیسی رنگ سے ملمع کرتا ہے، تاکہ شعری البم میں کوئی بوسیدہ اور فرسودہ نقش باقی نہ رہنے پائے۔ اور یہ تمام امور وہ " تنقید برائے تعمیر" کے جذبۂ صالح کے تحت سرانجام دے رہا ہوتا ہے۔

دوسری صورت میں نقاد معاصرانہ چشمک یا ذاتی بغض و عناد کے تحت تخریبی تنقیدیں لکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے اخلاق سوز احوال وکوائف کو کسی بھی طور پر مستحسن نہیں ٹھہرایا جا سکتا، کیوں کہ اس سے نہ صرف تنقید کا مقصد اصلی فوت ہو جائے گا، بلکہ اس سے ادب کو بھی ناقابلِ تلافی نقصان پہنچے گا۔

عصر حاضر میں جہاں دیگر ادبی اصناف سخن پر تنقیدی مباحث معرض وجود میں آ رہے ہیں، وہیں نعتیہ ڈسکورس کو بھی فنی، عروضی، لسانی اور ادبی کسوٹی پر پرکھے جانے کی شعوری کوشش ہو رہی ہے۔ جو نہ صرف خوش آئند ہے، بلکہ عمودِ نعت کی پائداری کا منظم اور مستحکم حوالہ ہے۔ ہر چند کہ تنقیدِ نعت کی اصطلاح بہت قدیم نہیں، لیکن اس کی معنویت و افادیت کچھ اس طور پر بھی اہم ہے کہ اس سے بنامِ عقیدت گندم نما جو فروشوں کی بروقت شناخت ہو سکے گی اور دودھ کی آڑ میں پانی کی تجارت کرنے والوں کو حتی المقدور متنبہ کیا جا سکے گا۔

عمومی تناظر میں بات کی جائے تو لسان وادب سے

لے کر حیات و ممات تک کے تمام تر شعبوں میں کسی نہ کسی طور پر نقد و جرح کی روایت قائم ہے، جب کہ ان میں بہت ساری صورتیں خالص دنیاوی اور عمومی نوعیت کی ہوتی ہیں، جن میں شرعی امور کی پاسداری لازم وضروری نہیں سمجھی جاتی۔ اس کے برخلاف نعتیہ شعر کا ایک ایک آہنگ شرعیات وشعریات کا متقاضی اور تقدیسیت وتطہیریت کا طالب ہوتا ہے۔ اس کے باوجود ہم اس کی لفظیات و اسلوبیات اور محاسن ومعائب پر گفتگو کرنے سے کتراتے ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ ہم نعتیہ شعر کہتے ہوئے ایک ایک لفظ کے صوری اور معنوی زاویوں کو خوب اچھی طرح پرکھ لیں، لیکن بدقسمتی سے ایسا نہیں ہو رہا۔ کیونکہ لوگوں پر شہرت و ناموری کا ایسا بھوت سوار ہے کہ علم وادب سے کورے لوگ دنیائے شاعری میں راتوں رات پاپولر ہونے کا خواب دیکھ رہے ہیں۔ ظاہر سی بات ہے کہ اس کے لیے کوئی جادو کی چھڑی تو ہے نہیں کہ اِدھر چمکائی اور اُدھر اشعار کے الہام شروع ہو گئے۔ اس کے لیے مشق ومزاولت، مطالعہ ومشاہدہ، علم وادب اور سب سے بڑھ کر وفورِ عشق کا سرمایہ درکار ہے، جس کے بغیر تخلیق نعت کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔

میری نظر میں تنقیدِ نعت کو شجر ممنوعہ سمجھے جانے کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں: اول تو یہ کہ تنقید کی صحیح معرفت نہ ہونے کے باعث اسے طنز یا اس جیسے دوسرے الفاظ کا مترادف سمجھا جائے، جس میں مثبت معنی کی بہ نسبت منفی معنی غالب ہو۔ دوم یہ کہ عقیدت کے نام پر تخلیق کا ایک ایسا غیر مستحکم ڈھانچہ تیار کیا جائے، جو انتقادی کارروائی کا متحمل نہ ہو۔

مؤول الذکر صورت انسان کی نادانستگی پر دال ہے، جبکہ مؤخر الذکر صورت میں انسان اپنی تخلیق کے عیوب ونقائص کے محاسبے سے راہِ فرار اختیار کرنا چاہتا ہے، جو نہ صرف مذموم عمل ہے، بلکہ تخلیقی ارتقا کے حوالے سے انسدادِ راہ کا بھی باعث ہے۔

نعتیہ تنقید صرف یہ نہیں کہ وزن کی پیمائش کر لی جائے یا ردیف وقوافی کا نبھاو دیکھ لیا جائے، بلکہ اس کے لیے متن، عروض، آہنگ، صحتِ لفظ، مصوتے، مضمون، معانی، اسلوب، جذب وکیف، عشق نبوی اور علوم شریعت ومعرفت جیسی کئی اور اہم چیزیں ہیں، جو تجزیاتی اسباب وعوامل ہونے کے باعث تنقیحی گفتگو کا تقاضا کرتی ہیں۔ لہٰذا نقد ونظر کے ان تمام بیانیوں پر قدرت کے بغیر نہ تو تنقید، تنقید ہو سکتی ہے۔ اور نہ ہی نعت فہمی کا کوئی اعلیٰ منصب حاصل ہو سکتا ہے۔

تخلیق نعت کے حوالے سے اردو زبان کا یہ سرمایۂ اعزاز وافتخار ہے کہ آج بین الاقوامی سطح پر سب سے زیادہ نعتیں اسی زبان میں کہی جا رہی ہیں، لیکن نعتیہ مضامین و موضوعات کے اَن گنت پہلو اب بھی ایسے ہیں، جن پر ہنوز کوئی سنجیدہ گفتگو نہیں ہوئی ہے۔ نعت میں تمدیحی عنصر کی اہمیت کا انکار نہیں، لیکن حالاتِ حاضرہ کے جبری تقاضے ہم سے کچھ اور کہتے ہیں۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم تمدیحی اظہاریے کو جمالِ محمدی کے ساتھ ساتھ شمائل نبوی، اسوہ حسنہ، سیر وتواریخ اور قرآن و احادیث کے ضروری احکامات سے مربوط کریں، کیوں کہ اس کے بغیر نعت گوئی کی ماہیت ومعنویت کا صحیح ادراک و ابلاغ ممکن نہیں۔ موجودہ اردو نعت گوئی کو ہم دو خانوں میں بانٹ سکتے ہیں: (۱) عقیدت محض (۲) عقیدت وادب۔

ملک کے دینی اجلاس میں پڑھے جانے والے بیشتر

کلام کو پہلی صورت کی مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے، جن میں سنجیدگی، شائستگی، فکری بالیدگی، حسن تفکر، رنگ تغزل، فصاحت و بلاغت اور معیاری لفظیات واسلوبیات کا افسوس ناک حد تک فقدان رہتا ہے۔ وہ عقیدت کے نام پر محض قافیہ پیمائی کر رہے ہوتے ہیں۔ جس میں نہ تو ادبی چاشنی ہوتی ہے اور نہ ہی فنی لذت کا دور دور تک نام ونشان ہوتا ہے۔ ایسے لوگ نعت گوئی یا نعت خوانی کی آڑ میں لوگوں کے جذبات کو مشتعل کر کے یا تو داد وتحسین لوٹنا چاہتے ہیں یا مال ومتاع کے خواہاں ہوتے ہیں۔ نعت گوئی کے نام پر تُک بندیوں کے فروغ کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہمیں کسی ایسی فکری وفنی کسوٹی کا صحیح علم نہیں، جس کے تناظر میں نعوتِ نبوی کا معیار متعین کیا جا سکے۔ یا علم ہے بھی تو ہم اس پر سنجیدگی سے غور وخوض کرنے کی زحمت نہیں کرتے۔ وقتی طور پر اگر عروضی ولسانی پیچ وخم سے آگے کی بات کی جائے تو بعض اوقات پروگرامی گویوں کے شعر، شرعی حدود کو بھی پامال کر جاتے ہیں، لیکن مجال ہے کہ اسٹیج پر (الا ماشاءاللہ) کوئی اس کی سرزنش کر دے۔

دوسری صورت میں عقیدت کے ساتھ ساتھ ادبی لوازمات اور اس کے تقاضوں کا بھی خیال رکھا جاتا ہے۔ یعنی شعر میں پروئے جانے والے ہر ہر لفظ کی مختلف زاویوں سے جانچ ہوتی ہے کہ کہیں اس میں کوئی ایسا پہلو تو نہیں جو از روئے شریعت وشعریت قابل گرفت ہو۔ ظاہر سی بات ہے کہ اس صورت حال میں انتہائی جگر کاوی وذہن سوزی کی ضرورت ہوتی ہے اور لفظوں کی بندش سے لے کر استعارات وکنایات اور تلمیحات وتشبیہات تک، نیز فصاحت وبلاغت کے التزام سے لے کر صنائع وبدائع کے اہتمام تک ہر ایک چیز میں فنی چابک دستی اور ادبی ہنرکاری کا مظاہرہ کرنا ہوتا ہے اور یہ کوئی آسان کام نہیں۔ لہٰذا اس نوعیت کی نعت گوئی کے لیے وفورِ شوق اور متاعِ عشق کے ساتھ ساتھ انسان کے لیے کثیر المطالعہ اور وسیع المشاہدہ ہونا ضروری ہے۔ صرف ردیف سمجھ لینے یا قافیہ نبھا لینے سے شاعری اور بالخصوص نعت گوئی کا حق ادا نہیں ہوسکتا، بلکہ اس کے لیے مسلسل مشق وریاضت، جہد ولگن، محنت ومشقت اور سعیِ پیہم دکھانی پڑتی ہے، تب کہیں جا کر نعت گوئی کا کوئی اعلیٰ منصب حاصل ہوتا ہے۔

میرے کہنے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ نعت گوئی میں لسانی پرکاری اور ادبی جمالیات ہی سب کچھ ہے، لیکن جب ہم صنف نعت کو دیگر اصناف سخن کے شانہ بہ شانہ رکھنے کی بات کرتے ہیں تو ضمناً ان تمام چیزوں کا تذکرہ ناگزیر ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ محاسن شعری، معنوی تہ داری، لفظی تفصح، فکری ترفع، اور تقدیسی بنت کاری کے بغیر ایسی شاعری منصۂ شہود پر نہیں آسکتی، جس پر ادبی وفنی لحاظ سے بڑی شاعری کا اطلاق ہو سکے۔ تنقیدی لائحۂ عمل کی تشکیل کے بغیر نعتیہ ادب کا نہ تو فروغ ہوسکتا ہے اور نہ اس کی ارتقائی تخئیل کی تجسیم عمل میں آسکتی ہے۔ کیوں کہ دنیاوی اصول ہے کہ سونے کو اس کی قدر وقیمت تبھی ملتی ہے، جب سونار اپنی کسوٹی پر رکھ کر اس کے بے لوث ہونے کا اطمینانِ کلی حاصل کر لیتا ہے۔ بعینہٖ یہی مثال ہیرا کی ہے کہ جب تک جوہری اس کو اپنی ناقدانہ نظر سے گذار نہیں لیتا، اس کی حیثیت محض دو کوڑی کی ہوتی ہے۔ لہٰذا ہمیں انتقادی اہمیت کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی شدید ضرورت ہے۔

***

R.N.I.NO. UPURD/2005/14670

SEHMAHI AMJADIA

TAIBATUL-OLAMA JAMIA AMJADIA RAZVIA GHOSI MAU (U.P.) INDIA

Vol. 16

Issue: 63

JAN. FEB. MAR.-2023